اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

ابو منصور معمر بن احمد اصبہانی (م ۴۱۸ھ) فرماتے ہیں: ''جب میں نے سنت سے دوری، حادثات کے وقوع اور خواہشات کی پیروی کی کثرت کو دیکھا تو دل چاہا کہ اپنے احباب اور باقی مسلمانوں کو سنت کی وصیت اور حکمت، نیز متقدمین ومتاخرین میں سے اہل حدیث واہل اثر اور اہل معرفت واہل زہد کے اجماعی عقیدے کی نصیحت کر دوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں کہتا ہوں: سنت قضائے الٰہی پر راضی ہو جانے، حکمِ الٰہی کو تسلیم کر لینے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر صبر کرنے، احکامِ الٰہی کی تعمیل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے منع کردہ کاموں سے رک جانے کا نام ہے اور ایمان قول، عمل، نیت اور سنت کی پیروی کا نام ہے، یہ اطاعت کی وجہ سے بڑھتا اور معصیت کی وجہ سے گھٹتا ہے۔ اچھی، بری، میٹھی، کڑوی، تھوڑی، زیادہ اور پسندیدہ وناپسندیدہ تقدیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور (یہ ایمان رکھنا سنت ہے کہ) جو چیز (تقدیر میں) مجھے ملنے والی ہے، وہ چوک نہیں سکتی اور جو چیز (تقدیر میں) مجھ سے چوکنے والی ہے، وہ مجھے مل نہیں سکتی۔ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اس (کو لکھ چکنے) سے قلم خشک ہو چکی ہے۔ (یہ بھی سنت میں سے ہے کہ) قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کلام اور اس کی وحی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی کلام کی ہے، وہ مخلوق نہیں، اللہ ہی کی طرف سے آئی ہے اور اسی کی طرف لوٹے گی۔ جس شخص نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا منکر اور جہمی ہے اور جس شخص نے قرآنِ کریم کے بارے میں توقف اختیار کیا اور کہا کہ میں نہ اسے مخلوق قرار دیتا ہوں نہ غیر مخلوق، وہ واقفی اور جہمی ہے اور جس شخص نے کہا، میرا قرآنِ کریم کا تلفظ کرنا مخلوق ہے، وہ لفظی اور جہمی ہے۔ (اصل بات یہ ہے کہ) میرا قرآن کا تلفظ کرنا، اس کی قراءت اور تلاوت کرنا قرآن ہی ہے، قرآنِ کریم جہاں بھی پڑھا، سنا، لکھا اور کوئی بھی تصرف کیا جائے، وہ مخلوق نہیں۔ (درجِ ذیل سب باتوں پر ایمان لانا بھی سنت میں سے ہے کہ) رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق، پھر عمر فاروق، پھر عثمان ذوالنورین اور پھر سیدنا علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، وہ ہدایت یافتہ خلفائے راشدین ہیں، ان میں سے ہر ایک کی بیعت کی گئی اور ان میں سے کوئی بھی دوسروں سے بڑھ کر خلافت کا حق دار نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کرام کو جنت کی بشارت دی ہے اور وہ دس یہ ہیں، سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا سعد، سیدنا سعید، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ سیدنا صدیق کی بیٹی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کی پیاری بیوی ہیں، ہر قسم کی اخلاقی گراوٹ سے پاک اور ہر قسم کے شک وشبہ سے صاف ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے اور تمام ازواجِ مطہرات سے راضی ہو گیا ہے۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کی وحی کے کاتب وامین، رسول اللہ ﷺ کے ردیف (سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھنے والے) اور مؤمنوں کے ماموں ہیں۔ اللہ عزوجل بلا کیف، بلا تشبیہ اور بلا تاویل عرش پر مستوی ہے، استواء معلوم ہے، اس کی کیفیت معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ اللہ جل جلالہ اپنے عرش پر بلا کیف مستوی ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے جدا ہے اور مخلوق اس سے جدا ہے، چنانچہ کوئی حلول، اختلاط، ملاپ وغیرہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے علیحدہ اور اس سے مستغنی ہے۔ اس کا علم ہر جگہ ہے، کوئی جگہ بھی اس کے علم سے خالی نہیں۔''

(الحجة فی بیان المحجّة وشرح عقیدة اهل السنّة لابی القاسم الاصبهانی: ۲۴۷/۱-۲۴۹، وسندهٗ صحیحٌ)

شمارہ نمبر ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ ، دسمبر ۲۰۰۹ء

①	اللہ کہاں ہے؟	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	2
②	نمازِ جنازہ کے بعد دعا کی شرعی حیثیت	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	10
③	قارئین کے سوالات	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	28
❁	حدیث کلّ أیّام التّشریق ذبحٌ کی تحقیق		
❁	اذانِ فجر میں الصّلاۃ خیر من النّوم کے الفاظ		30
④	صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث	حافظ ابو یحییٰ نور پوری	33
❁	تحویل قبلہ کی حدیث پر عقلی اعتراضات کا جائزہ		

مؤمنوں کا اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قلت : مقالة السّلف وأئمّة السّنّة ، بل والصّحابة والله ورسوله والمؤمنون أنّ الله عزّوجلّ في السّماء ، وأنّ الله على العرش ، وأنّ الله فوق سماواته ، وأنّه ينزل الى السّماء الدّنيا ، وحجّتهم على ذلک النّصوص والآثار .

ومقالة الجهميّة : أنّ الله تبارک في جميع الأمكنة ، تعالى الله عن قولهم ، بل هو معنا أينما كنّا بعلمه ، ومقال متأخّري المتكلّمين : أنّ الله تعالىٰ ليس في السّماء ولا على العرش ولا في الأرض ، ولا داخل العالم ، ولا خارج العالم ، ولا هو بائن عن خلقه ، ولا متّصل بهم ، وقالوا: جميع هذه الأشياء صفات الأجسام ، والله تعالىٰ منزّه عن الجسم ، قال لهم أهل السّنّة والأثر : نحن لا نخوض في ذلک ، ونقول ما ذكرناه اتّباعا للنّصوص ، وان زعمتم ... ولا نقول بقولكم ، فانّ هذه السّلوب نعوت المعدوم ، تعالى الله جلّ جلاله عن العدم ، بل هو موجود متميّز عن خلقه موصوف بما وصف به نفسه من أنّه فوق العرش بلا كيف .

''میں کہتا ہوں کہ سلف صالحین اور ائمہ سنت، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مؤمنوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی میں، اپنے عرش پر اور اپنے آسمانوں کے اوپر ہے، وہ آسمانِ دنیا کی طرف نزول بھی فرماتا ہے، ان کی اس بارے میں دلیل (قرآنی) نصوص اور (حدیثی) آثار ہیں۔

جہمیوں کا کہنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر جگہ ہے، ان کے اس قول سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے، دراصل ہم جہاں بھی ہوتے ہیں، وہ ہمارے ساتھ اپنے علم کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

متأخرین متکلمین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ آسمان کے اوپر ہے، نہ عرش پر، نہ زمین میں، نہ کائنات میں داخل، نہ کائنات سے خارج، نہ اپنی مخلوق سے جدا اور مخلوق سے متصل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ساری کی ساری صفات ایک جسم کی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ ہے۔ اہل سنت والاثر (والجماعت) نے ان سے کہا ہے کہ ہم اس بارے میں زیادہ گہرائی میں نہیں جاتے اور جو ہم بیان کر چکے ہیں، نصوص کی اتباع میں ہمارا وہی قول ہے۔ ۔۔۔ یہ تو کوئی وجود نہ رکھنے والی چیز کا انداز ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ عدم سے بہت بلند ہے، وہ تو موجود اور اپنی مخلوق

سے ممتاز ہے، ان تمام صفات سے موصوف ہے، جن کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے، یعنی کہ وہ بلا کیف عرش کے اوپر ہے۔'' (مختصر العلو للذهبی : ص ١٤٦۔١٤٧)

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ وہ احادیثِ صحیحہ ذکر کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں:

حدیث نمبر ① : **عن معاوية بن الحكم السّلميّ قال : كانت لى جارية ترعىٰ غنما لى قبل أحد والجوابيّة ، فاطّلعت ذات يوم ، فاذا الذّئب قد ذهب بشاة عن غنمها ، وأنا رجل من بنى آدم ، آسف كما يأسفون ، لكنّى صككتها صكّة ، فأتيت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فعظّم ذلک علىّ ، قلت : يا رسول اللّٰه ! أفلا أعتقها ؟ قال : ائتنى بها ، فأتيته بها ، فقال لها : أين اللّٰه ؟ قالت : فى السّماء ، قال : من أنا ؟ قالت : أنت رسول اللّٰه ، قال : أعتقها ، فانّها مؤمنة .**

''سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری ایک لونڈی تھی، جو احد اور جوابیہ مقام کی طرف میری بکریاں چراتی تھی، ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا اس کے ریوڑ سے ایک بکری لے گیا، میں آدم زاد تھا، دوسروں کی طرح مجھے بھی افسوس ہوا، میں نے اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے اس کام کو میرے لیے برا جانا، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا، اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے لے آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا، اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا، آسمانوں کے اوپر، آپ نے فرمایا، میں کون ہوں؟ اس نے جواباً عرض کیا، آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا، اسے آزاد کر دو کہ یہ مؤمنہ ہے۔'' (صحیح مسلم : ٢٠٣/١۔٢٠٤، ح : ٥٣٧)

یہ حدیث نصِ صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، امام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ (م ٣٢٤ھ) اس حدیث سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذا يدلّ على أنّ اللّٰه تعالىٰ على عرشه فوق السّماء . ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر ہے۔'' (الابانة فى أصول الديانة لأبى الحسن الاشعرى : ص ١٠٩)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (م ٤٦٣ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: **معانى هذا الحديث واضحة يستغنى عن الكلام فيها ، وأمّا قوله : أين اللّٰه ؟ فقالت : فى السّماء ، فعلىٰ هذا أهل الحقّ**

’’اس حدیث کا مفہوم واضح ہے، جس پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں، رہا رسول اللہ ﷺ کا سوال کہ اللہ کہاں ہے؟ اور اس لونڈی کا جواب کہ آسمانوں کے اوپر ہے، اہل حق اسی پر ہیں۔‘‘ (التمهيد لابن عبد البر : ۸۰/۲۲)

نیز اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: **وأمّا قوله فى هذا الحديث للجارية : أين اللّٰه ؟ فعلى ذلک جماعة أهل السّنّة ، وهم أهل الحديث ورواته المتفقّهون فيه وسائر نقلته ، كلّهم يقول ما قال اللّٰه تعالىٰ فى كتابه : ﴿الرحمن على العرش استوىٰ﴾ (طٰهٰ : ۵) ، وأنّ اللّٰه عزّوجلّ فى السّماء وعلمه فى كلّ مكان .**

’’اس حدیث میں لونڈی کو جو فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اسی پر اہل سنت والجماعت ہیں جو کہ اہل حدیث، حدیث میں فقاہت حاصل کرنے والے راوی اور تمام ناقلین ہیں، وہ صرف وہی بات کہتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمائی ہے: ﴿الرحمن على العرش استوى﴾ (طٰهٰ : ۵) ، اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ (الاستذكار لابن عبد البر : ۳۳۷/۷)

امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ (م ۲۸۰ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ففى حديث رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم دليل على أنّ الرّجل اذا لم يعلم أنّ اللّٰه عزّوجل فى السّماء دون الأرض ، فليس بمؤمن ، ولو كان عبدا ، فأعتق لم يجز فى رقبة مؤمنة ، اذ لا يعلم أنّ اللّٰه فى السّماء ، ألا ترى أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أمارة ايمانها معرفتها أنّ اللّٰه فى السّماء ، وفى قول رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم تكذيب لقول من يقول : هو فى كلّ مكان ، لا يوصف ب ” أين “ ، لأنّ شيئا ، لا يخلو منه مكان يستحيل أن يقال : أين هو ؟ ولا يقال : أين الّا لمن هو فى مكان ، يخلو منه مكان .

ولو كان الأمر على ما يدّعى هؤلاء الزّائعة ، لأنكر عليها رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قولها وعلمها ، ولكنها علمت به ، فصدّقها رسول اللّٰه وشهد لها بالايمان بذلک ، ولو كان فى الأرض كما هو فى السّماء لم يتمّ ايمانها حتى تعرفه فى الأرض كما عرفته فى السّماء .

’’رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک آدمی یہ نہ جان لے کہ اللہ زمین میں نہیں، بلکہ آسمانوں کے اوپر ہے، وہ مؤمن نہیں ہو سکتا، اگر ایسا شخص غلام ہو اور آزاد کر دیا جائے تو مؤمن گردن کی آزادی میں کام نہیں دے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر نہیں مانتا، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ آپ ﷺ نے اس (لونڈی) کے ایمان کی نشانی ہی اس کی اس معرفتِ الٰہی کو قرار دیا ہے کہ اللہ

آسمانوں پر ہے، آپ ﷺ کے سوال کہ اللہ کہاں ہے؟ اس میں ان لوگوں کی بات کی تکذیب ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے، کیونکہ جو چیز ہر جگہ موجود ہو، اسے 'کہاں' سے موصوف نہیں کیا جا سکتا، جس چیز سے کوئی جگہ خالی نہ ہو، اس کے بارے میں یہ پوچھنا محال ہے کہ وہ کہاں ہے؟ کہاں کا سوال اسی چیز کے بارے میں کیا جائے گا، جو ایک جگہ میں ہو اور دوسری جگہ میں نہ ہو۔

اگر بات اسی طرح ہوتی، جس طرح یہ گمراہ لوگ دعوی کرتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ اس لونڈی کی بات کو غلط قرار دیتے اور اس کو سکھاتے، لیکن اس نے اس حقیقت کو جان لیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی تصدیق کی اور اس وجہ سے آپ نے اس کے ایمان کی گواہی بھی دی، اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں کی طرح زمین میں بھی ہوتا تو لونڈی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا تھا جب تک وہ اسے زمین میں بھی نہ جان لیتی، جیسا کہ اس نے اسے آسمانوں پر جانا تھا۔'' (الرد علی الجهمية للدارمي : ص ٤٦-٤٧)

نیز لکھتے ہیں: فقول رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : انّها مؤمنة دليل على أنّها لو لم تؤمن بأنّ اللّٰه في السّماء لم تكن مؤمنة ، وأنّه لا يجوز في الرّقبة المؤمنة الّا من يحد اللّٰه أنّه في السّماء ، كما قال اللّٰه ورسوله . ''پس اللہ کے رسول ﷺ کا اسے مؤمنہ قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر تسلیم نہ کرتی تو وہ مؤمنہ نہ ہوتی، نیز یہ کہ مؤمن گردن کی آزادی میں وہی غلام یا لونڈی کام دے سکے گی جو اللہ و رسول کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر تسلیم کرے۔'' (نقض الامام عثمان بن سعيد الدارمي على بشر المريسي : ٢٢٦/١)

مزید لکھتے ہیں: فهذه الآي كلّها تنبئك عن اللّٰه أنّه في موضع ، وأنّه على السّماء دون الأرض ، وأنّه على العرش دون ما سواه من المواضع ، قد عرف ذلك من قرأ القرآن وآمن به وصدّق اللّٰه بما فيه ، فلم تحكم على اللّٰه تعالىٰ أيّها العبد الضّعيف بما هو مكذّبك في كتابه ، ويكذّبك الرّسول صلّى اللّٰه عليه وسلّم ؟ أو لم يبلغك حديث النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنّه قال : للأمة السّوداء : أين اللّٰه ؟ فقالت : في السّماء ، قال : أعتقها ، فانّها مؤمنة ، فهذا ينبّئك أنّه في السّماء دون الأرض ، فكيف تترك ما قال اللّٰه تعالىٰ ورسوله وتختار عليهما في ذلك قول بشر والثّلجيّ ونظرائهما من الجهميّة .

''یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپ کو بتاتی ہیں کہ وہ ایک جگہ میں ہے اور وہ جگہ آسمانوں کے

اوپر ہے نہ کہ زمین کے اوپر، نیز وہ عرش پر ہے، نہ کہ کسی اور جگہ پر، یہ بات ہر شخص کو معلوم ہو جاتی ہے، جو قرآن پڑھتا ہے، اس پر ایمان لاتا ہے اور اس میں موجود اللہ تعالیٰ کے فرامین کی تصدیق کرتا ہے، اے کمزور انسان! تو اللہ تعالیٰ پر کیسے وہ حکم لگاتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اور اس کا رسول اپنے فرامین میں غلط قرار دیتا ہے یا تجھ کو وہ حدیث نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سیاہ لونڈی سے سوال کیا، اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا، آسمانوں کے اوپر، آپ ﷺ نے فرمایا، اس کو آزاد کر دو، یہ مؤمنہ ہے، یہ حدیث بھی تجھ کو بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے، زمین میں نہیں، چنانچہ تو کیسے اللہ و رسول کے فرمان کو چھوڑ کر اس بارے میں بشر (مریسی) اور ثلجی جیسے جہمی لوگوں کی بات کو اس پر ترجیح دیتا ہے؟" (النقض علی بشر المریسی: ص ۱/۱۴۵-۱۴۶)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: وهكذا رأينا في كلّ من يسأل : أين اللّٰه ؟ يبادر بفطرته ويقول : في السّماء ، في الخبر مسألتان : احداهما : شرعيّة قول المسلم : أين اللّٰه ؟ وثانيهما : قول المسئول : في السّماء ، فمن أنكر هاتين المسألتين فانّما ينكر على المصطفٰى صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

"ہماری رائے بھی ہر شخص کے بارے میں یہی ہے (کہ وہ مسلمان ہے)، جس سے پوچھا جائے، اللہ کہاں ہے؟ اور وہ اپنی فطرت کے مطابق جلدی سے یہ کہہ دے کہ آسمانوں میں ہے۔ اس حدیث میں دو مسئلے ہیں، ایک تو یہ کہ مسلمان کے لیے یہ پوچھنا مشروع ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ دوسرا یہ کہ جس سے سوال کیا جائے، اس کا یہ کہنا بھی مشروع ہے کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ جو شخص ان دو باتوں کا انکار کرے گا، وہ مصطفٰی ﷺ کی بات کا انکار کرے گا۔" (العلو للذهبي : ص ٢٦)

حدیث نمبر ② :

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال : يتعاقبون فيكم ملائكة باللّيل وملائكة بالنّهار ، ويجتمعون في صلاة الفجر وصلاة العصر ، ثمّ يعرج الّذين باتوا فيكم ، فيسألهم ، وهو أعلم بهم : كيف تركتم عبادي ؟ فيقولون : تركناهم وهم يصلّون ، وأتيناهم وهم يصلّون .

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں رات اور دن کے فرشتے آتے اور جاتے رہتے ہیں، فجر اور عصر کی نماز میں وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں، پھر رات کو تمہارے ساتھ رہنے والے فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ باوجود بہتر جاننے کے ان سے پوچھتا ہے، تم میرے بندوں کو کس حال

میں چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں، ہم ان کے پاس گئے تھے تو وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ان کو چھوڑ کر آئے ہیں تو اس وقت بھی وہ نماز ادا کر رہے تھے۔'' (صحیح بخاری : ۷٤۲۹، صحیح مسلم : ٦۳۲)

حدیث نمبر ③ : عن عبد اللّٰہ بن عمرو أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال : الرّاحمون یرحمھم الرّحمان ، ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السّماء .

''سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رحمٰن رحم کرنے والوں پر ہی رحم فرماتا ہے، تم اہلِ زمین پر رحم کرو، جو آسمانوں پر ہے، وہ تم پر رحم فرمائے گا۔''

(مسند الحمیدی : ٥۹۱، مسند الامام احمد : ۲/۱٦۰، سنن الترمذی : ۱۹۲٤، سنن أبی داوٗد : ٤۹٤۱، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (٤/۱٥۹) نے ''صحیح'' کہا ہے، اس کا راوی ابو قابوس ''حسن الحدیث'' ہے، امام ترمذی اور امام ابنِ حبان رحمہما اللہ وغیرہما نے اس کی توثیق کر رکھی ہے۔

حدیث نمبر ④ : عن جابر بن عبد اللّٰہ أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال فی خطبتہ یوم عرفات : أنتم تسألون عنّی ، فما أنتم قائلون ؟ قالوا : نشھد أنّک قد بلّغت وأدّیت ونصحت ، فقال : باصبعہ السّبّابۃ یرفعھا الی السّماء وینکتھا الی النّاس : اللّٰھم اشھد ، اللّٰھم اشھد ، ثلاث مرّات ....

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن اپنے خطبۂ (حجۃ الوداع) میں فرمایا، تم سے (روزِ قیامت) میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تم کیا کہو گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا، ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے (دین) پہنچا دیا، (اللہ کی امانت کو) ادا کر دیا اور خیر خواہی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت والی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا، اے اللہ گواہ ہو جا، اے اللہ گواہ ہو جا۔۔۔'' (صحیح مسلم : ۱۲۱۸)

حدیث نمبر ⑤ : عن أنس بن مالک قال : کانت زینب بنت جحش تقول : انّ اللّٰہ أنکحنی فی السّماء .

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں، میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔''

(صحیح بخاری : ۷٤۲۱)

حدیث نمبر ⑥ : عن أبی سعید الخدریّ قال : قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ

علیه وسلّم : ألا تأمنونی وأنا أمین من فی السّماء ؟ یأتینی خبر السّماء صباحا ومساءً .....

''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے، حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں، جو آسمانوں کے اوپر ہے، میرے پاس صبح وشام آسمانوں کی خبر آتی ہے۔''

(صحیح بخاری : ٤٣٥١، صحیح مسلم : ١٠٦٤)

حدیث نمبر ⑦ : عن أبی هریرة قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : والّذی نفسی بیده ! ما من رجل یدعو امرأته الی فراشها ، فتأبی علیه ، الّا کان الّذی فی السّماء ساخطا علیها ، حتّی یرضی عنها .

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی آدمی ایسا نہیں، جو اپنی بیوی کو اس کے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کردے، مگر وہ جو آسمانوں کے اوپر ہے، اس (عورت) سے ناراض ہوجاتا ہے، تاآنکہ خاونداس سے راضی ہوجائے۔''

(صحیح مسلم : ١٤٣٦)

حدیث نمبر ⑧ : عن أنس قال : أصابنا ونحن مع رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم مطر ، قال : فحسر رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ثوبه ، حتّی أصابه من المطر ، فقلنا : یا رسول اللّٰه ! لم صنعت هذا ؟ قال : لأنّه حدیث عهد بربّه عزّوجلّ .

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اس دوران ہمیں بارش نے آن لیا، آپ ﷺ نے اپنے کپڑے کو ہٹایا، حتی کہ آپ ﷺ کو بارش کا پانی لگ گیا، ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا، کیونکہ یہ بارش اپنے رب عزوجل سے نئی نئی (ابھی) آئی ہے۔'' (صحیح مسلم : ٨٩٨)

حدیث نمبر ⑨ : عن أبی هریرة عن النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال : المیّت تحضره الملائکة ، فاذا کان الرّجل صالحا ، قالوا : اخرجی أیّتها النّفس الطّیّبة کانت فی الجسد الطّیّب ، اخرجی حمیدة ، وأبشری بروح وریحان وربّ غیر غضبان ، فلا یزال یقال لها حتّی تخرج ، ثمّ یعرج بها الی السّماء ، فیفتح لها ، فیقال : من هذا ؟ فیقولون : فلان ، فیقال : مرحبا بالنّفس الطّیّبة ، کانت فی الجسد الطّیّب ، ادخلی حمیدة ، وأبشری بروح وریحان وربّ

غير غضبان ، فلا يزال يقال لها ذلک ، حتّى ينتهى بها الى السّماء الّتى فيها اللّٰه عزّوجلّ ...

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں، اگر وہ نیک ہوتو وہ کہتے ہیں، اے پاک جان جو کہ پاک جسم میں تھی! قابل تعریف حالت میں نکل، تیرے لیے خوشگوار وخوشبودار ہوا کے جھونکوں اور راضی ومہربان رب کی خوشخبری ہے، اسے مسلسل یہی بات کہی جاتی ہے، حتی کہ وہ جسم سے نکل جاتی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے، آسمان کے دروازوں کو کھولا جاتا ہے، پوچھا جاتا ہے، یہ کون ہے؟ فرشتے بتاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے، کہا جاتا ہے، پاک جان جو کہ پاک جسم میں تھی، اسے خوش آمدید! تو قابل تعریف حالت میں داخل ہو جا، تیرے لیے خوشگوار وخوشبودار ہوا اور مہربان ربّ کی خوشخبری ہے، اسے مسلسل یہی کہا جاتا ہے، حتی کہ اس آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے، جس کے اوپر اللہ عزوجل کی ذات ہے۔'' (مسند الامام احمد : ٣٦٤/٢، سنن ابن ماجه : ٤٢٦٢، وسندهٗ حسنٌ)

حدیث نمبر ⑩ : **عن عامر بن سعد عن أبيه قال : انّ سعد بن معاذ رضى اللّٰه عنه حكم على بنى قريظة أن يقتل منهم كلّ من جرت عليه الموسىٰ ، وأن تقسم أموالهم وذراريهم ، فذكر ذلک برسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فقال : لقد حكم اليوم فيهم بحكم اللّٰه الّذى حكم به من فوق السّماوات .**

''عامر بن سعد اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بنی قریظہ کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ ان کا ہر بالغ مرد قتل کر دیا جائے اور ان کے مال واولاد کو (مسلمانوں میں) تقسیم کر دیا جائے، یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، سعد نے اس اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے، جس نے آسمانوں کے اوپر یہ فیصلہ کیا تھا۔''

(السنن الكبرى للنسائى (تحفة الأشراف : ٢٩٣/٣)، فضائل الصحابة للنسائى : ١١٩، المستدرك للحاكم : ١٢٤/٢، الاسماء والصفات للبيهقى : ١٦١/٢-١٦٢، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (مختصر المستدرك للذهبى : ١٢٤/٢)

تلک عشرة كاملة یہ پوری دس صحیح احادیث ہیں!

جاری ہے-----

❀❀❀❀❀❀❀

نمازِ جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے اجتماعی دعا کرنا ''قبیح بدعت'' ہے، قرآن وحدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ، ائمہ دین رحمہم اللہ اور سلف صالحین سے یہ ثابت نہیں۔

اس کے باوجود ''قبوری فرقہ'' اس کو جائز قرار دیتا ہے، جنازہ کے متصل بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سب سے بڑھ کر قرآن وحدیث کے معانی، مفاہیم ومطالب اور تقاضوں کو سمجھنے والے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے تھے، وہ ضرور اس کا اہتمام کرتے۔

چاروں اماموں سے بھی اس کا جواز یا استحباب منقول نہیں، امامِ بریلویت جناب احمد یار خان نعیمی اوجھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب (ابوحنیفہ) کا قول وفعل اپنے لیے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ پر نظر نہیں کرتے۔'' («جاء الحق» : ۱/۱۵)

نیز ایک مسئلہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں، ان کی دلیل صرف قولِ امام ہے۔'' («جاء الحق» : ۲/۹،۱۰)

اب مبتدعین پر لازم ہے کہ وہ اپنے امام ابوحنیفہ سے باسندِ ''صحیح'' اس کا استحباب ثابت کریں، ورنہ ماننا پڑے گا کہ اس فرقہ کا امام ابوحنیفہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور '' أجلی الأعلام بأنّ الفتوٰی مطلقا علی قول الامام '' کے نام سے رسالے لکھنے والوں کو '' کشف الغطاء '' وغیرہ کے حوالے پیش کرتے وقت شرم کرنی چاہیے!

واضح رہے کہ بعض حنفی اماموں نے بھی جنازہ کے متصل بعد دعا کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مکروہ قرار دیا ہے:

① ابنِ نجیم حنفی، جنہیں حنفی ابوحنیفہ ثانی کے نام سے یاد کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

ولا یدعو بعد التّسلیم . ''نمازِ جنازہ کا سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرے۔''

(البحر الرائق لابن نجیم الحنفی : ۷/۱۸۳)

② طاہر بن احمد البخاری الحنفی (م۵۴۲ھ) لکھتے ہیں: **لا یقوم بالدعاء فی قرائة القرآن لأجل المیّت بعد صلاة الجنازة وقبلها لا یقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة .**

''نمازِ جنازہ سے پہلے اور بعد میت کے لیے قرآنِ مجید پڑھنے کے لیے مت ٹھہرے اور نمازِ جنازہ کے (متصل) بعد دعا کی غرض سے بھی مت ٹھہرے۔'' (خلاصة الفتوی : ۲۲۵/۱)

③ ابنِ ہمام حنفی کے شاگرد ابراہیم بن عبد الرحمٰن الکرکی (۸۳۵۔۹۲۲ھ) لکھتے ہیں:

والدّعاء بعد صلاة الجنازة مکروه کما یفعله العوّام فی قرآءة الفاتحة بعد الصّلاة علیها قبل أن ترفع . ''نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد میت کو اٹھانے سے پہلے سورۂ فاتحہ کو دعا کی غرض سے پڑھنا، جیسا کہ عوام کرتے ہیں، مکروہ ہے۔'' (فتاوی فیض کرکی : ۸۸)

④ محمد خراسانی حنفی (م۹۲۶ھ) لکھتے ہیں: **ولا یقوم داعیا له .**

''نمازِ جنازہ کے (متصل) بعد میت کے حق میں دعا کے لیے کھڑا نہ ہو۔'' (جامع الرموز : ۱۲۵/۱)

⑤ ایک اور حنفی ''امام'' لکھتے ہیں: **اذا خرج من الصّلاة لا یقوم بالدّعاء .**

''جب نمازِ جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔'' (فتاوی سراجیه : ۲۳)

اعتراض : ان عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ نمازِ جنازہ کے فوراً بعد کھڑے ہو کر نہیں، بلکہ بیٹھ کر دعا کرے، مطلق دعا کی نفی بالکل نہیں۔

جواب یہ مفہوم کئی وجوہ سے باطل ہے:

① حنفی مذہب کی کسی معتبر کتاب میں یہ مفہوم مذکور نہیں، لہٰذا مردود و باطل ہے۔

② یہاں ''قیام'' کا معنیٰ کھڑے ہونا نہیں، بلکہ ٹھہرنا مراد ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾ (التوبة : ۸٤) یعنی : '' آپ منافقین میں سے کسی کی قبر پر مت ٹھہریں۔'' یہ مطلب نہیں کہ منافقین کی قبروں پر کھڑے نہیں ہو سکتے، بیٹھ کر دعا کر سکتے ہیں، بلکہ یہاں قیام سے مراد ٹھہرنا ہے کہ آپ ان کی قبروں پر دعا کے لیے نہیں ٹھہر سکتے۔

آیئے نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کے مزعومہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

دلیل نمبر ① : ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرة : ۱۸٦) ''میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب

بھی وہ مجھ سے دعا کرے۔''

جواب ① بعض الناس کا عمومی دلائل سے اس کا ثبوت پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

② نبیٔ کریم ﷺ اور صحابہ کرام جو قرآن کے مفاہیم ومطالب سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے، ان سے جنازہ کے متصل بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت نہیں، اگر اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکلتا تو وہ ضرور دعا کرتے ، لہٰذا یہ کہنا کہ اس آیت کے عموم سے نمازِ جنازہ کے فوراً بعد دعا کی ترغیب دی گئی، واضح جھوٹ ہے۔

③ خود تقلید پرست جنازہ سے پہلے اجتماعی ہیئت کے ساتھ دعا کرنے کے قائل نہیں، لہٰذا ان کا اس آیت کے عموم پر عمل نہیں۔

④ اس آیت سے یہ استدلال کسی حنفی امام سے ثابت کریں۔

دلیل نمبر ② : رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ☆ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ﴾(الانشراح : ۷۔۸)

''توجب تم نماز سے فارغ ہوتو دعا میں محنت کرواور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔''

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے ارشادات

۞ اس کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی وغیرہم سے مروی ہے: اذا فرغت من الصّلاۃ المکتوبۃ أو مطلق الصّلاۃ فانصب الی ربّک فی الدّعاء وارغب الیہ فی المسئلۃ . ''جب تم نمازِ فرض یا کسی بھی قسم کی نماز سے فارغ ہوتو اپنے رب سے دعا کرنے میں لگ جاؤ اور اس کی بارگاہ میں سوال کرنے میں رغبت کرو۔''(تفسیر مظھری : ۹۴/۱۰، طبع انڈیا)

جواب ① اس آیتِ کریمہ سے کسی ثقہ امام نے نمازِ جنازہ کے متصل بعد اجتماعی ہیئت سے دعا کا جواز ثابت نہیں کیا ہے، لہٰذا یہ استدلال باطل ہے۔

② سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر ثابت نہیں، کیونکہ پہلی روایت میں علی بن ابی طلحہ راوی ہے، جس کا سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت نہیں، دوسری روایت میں ''سلسلۃ الضعفاء'' ہے، یعنی سعد بن محمد بن الحسن بن عطیہ بن سعد العوفی اور اس کا چچا الحسین بن الحسن بن عطیہ العوفی اور الحسن بن عطیہ العوفی اور عطیہ العوفی ، سارے کے سارے راوی ''ضعیف'' ہیں۔

ضحاک کی روایت ''حُدِّثْتُ''(مجھے بیان کیا گیا ہے)،یعنی جہالت کے وجہ سے''ضعیف''ہے۔

لہٰذا یہ دونوں روایتیں''ضعیف''ہوئیں۔

③ مقاتل خود''ضعیف''ہے۔ ④ کلبی خود کذاب اور متروک ہے۔

⑤ **قال الطّبریّ : حدّثنا ابن عبد الأعلیٰ ، قال : ثنا ابن ثور عن معمر عن قتادة فی قوله : فاذا فرغت من صلاتک فانصب فی الدّعاء .** ''امام قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب تو اپنی نماز سے فارغ ہو تو دعا میں رغبت کر۔''(تفسیر طبری : ۱۵۲/۳۰، وسندهٔ صحیحٌ)

اس صحیح تفسیر میں نمازِ جنازہ کا کوئی ذکر نہیں ہے،دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اجتماعی ہیئت کے ساتھ دعا کا کوئی ذکر نہیں،اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جب نماز سے فارغ ہوں تو دعا میں کوشش کریں،یعنی اذکارِ مسنونہ پڑھیں یا اس آیتِ کریمہ کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ جب دنیاوی امور سے فارغ ہو جائیں تو عبادت میں خوب محنت کریں۔

❀❀ اس آیت کی تفسیر میں خواجہ یعقوب چرخی (م۸۵۷ھ) لکھتے ہیں:

''تو جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو،نماز کے بعد نیاز پیش کر کے حق تعالیٰ کی ملاقات ڈھونڈو اور دنیا و آخرت حق تعالیٰ سے طلب کرو،جب بندہ نماز پڑھ کر دعا نہ کرے تو (حق تعالیٰ) اس کی نماز اس کے منہ پر مارتے ہیں۔''(تفسیر یعقوب چرخی : ص ۱۵۷، طبع قدیم هند)

جواب ① یعقوب چرخی کا قول بے دلیل ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

② یہی بات باسندِ صحیح امام ابوحنیفہ وغیرہ سے ثابت کی جائے۔

③ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی بھی اس نظریہ کا حامل نہیں رہا ہے۔

④ اس میں نمازِ جنازہ اور مخصوص ہیئت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

⑤ جمہور حنفی فقہاء کے نزدیک نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا صحیح نہیں،لہٰذا یہ قول مردود ہے۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلّیتم علی المیّت فأخلصوا له الدّعاء . ''جب تم میت پر جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوص کے ساتھ دعا کرو۔''(سنن ابی داوٗد : ۳۱۹۹، سنن ابن ماجه : ۱۴۹۷، السنن الکبری للبیهقی : ۴۰/۴، وسندهٔ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۳۰۷۶، ۳۰۷۷) نے''صحیح''کہا ہے،اس کا راوی محمد بن اسحاق

صاحب المغازی جمہور کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہے، صحیح ابنِ حبان میں اس نے سماع کی تصریح کی ہے۔

تبصرہ : اس حدیث سے نمازِ جنازہ کے اندر میت کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، محدثین کرام نے اس سے یہی مسئلہ اخذ کیا ہے۔

❁ امام ابنِ ماجہ رحمہ اللہ نے اس پر یوں تبویب کی ہے: **باب ما جاء فی الدّعاء فی الصّلاۃ علی الجنازۃ .** ''نماز جنازہ کے اندر دعا کرنے کا بیان۔''

❁ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کی تبویب ان الفاظ سے ہے: **ذکر الأمر لمن صلّی علی میّت أن یخلص له الدّعاء .** ''جو آدمی میت پر نماز (جنازہ) پڑھتا ہے، اس کو میت کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرنے کے حکم کا بیان۔''

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ یوں باب قائم فرماتے ہیں: **باب الدّعاء فی صلاۃ الجنازۃ .** ''نمازِ جنازہ کے اندر دعا کرنے کا بیان۔''

مبتدعین اس حدیث کو نمازِ جنازہ کے متصل بعد اجتماعی دعا کے لیے بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں، یہ ہمارے اس دور کے اہل بدعت کی کارستانی ہے، بلکہ زبردست سینہ زوری ہے کہ حدیث کی معنوی تحریف کر کے ایک بدعت ایجاد کر لی ہے، محدثین کرام اور اپنے حنفی فقہاء کے فہم اور اقوال کو نظر انداز کر دیا ہے۔

چنانچہ احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ''ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے فوراً بعد دعا کی جاوے، بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنیٰ کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لیے دعا مانگو، وہ 'ف' کے معنیٰ سے غفلت کرتے ہیں، صلّیتم شرط ہے اور فأخلصوا اس کی جزاء، شرط اور جزاء میں تغایر چاہیے، نہ یہ کہ اس میں داخل ہو، پھر صلّیتم ماضی ہے اور فأخلصوا امر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے، جیسے فاذا طعمتم فانتشروا میں کھا کر جانے کا حکم ہے، نہ کہ کھانے کے درمیان۔۔۔اور فا سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔'' («جاء الحق» : ۲۷٤)

دیکھا آپ نے کہ ''مفتی'' صاحب کس طرح جرأتِ رندانہ سے محدثین کرام اور اپنے حنفی فقہاء وائمہ کو ''غفلت'' کا الزام دے رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک اعتبار سے یہاں تغایر موجود ہے، وہ ہے کلیت اور جزئیت کا تغایر، نماز کلیت کے اعتبار سے افعال و اقوال کے مجموعہ کا نام ہے، جبکہ دعا ایک جزء ہے، جسے قول کہا جاتا ہے، شرط اور جزاء کے درمیان اتنی سی مغایرت کافی ہے، ورنہ نمازِ جنازہ کو دعاؤں سے خالی کرنا پڑے

گا، کیونکہ من کل الوجوہ مغایرت اس وقت ہوگی، جب نمازِ جنازہ کے اندر کوئی بھی دعا نہ ہو۔ اگر شرط اور جزاء میں من وجہ مغایرت کافی ہو تو یہاں بھی مغایرت موجود ہے۔

ویسے بھی جب ماضی پر ''اذا'' داخل ہو جائے تو معنیٰ مستقبل کا پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا صحیح معنیٰ اور ترجمہ یہ ہوا کہ ''جب تم نمازِ جنازہ پڑھو تو اس میت کے لیے دعا میں اخلاص پیدا کرو۔''

جیسا کہ محدثین کرام کے فہم سے پتا چلتا ہے۔ اگر ہر جگہ فا کا معنیٰ تاخیر کا لیں تو **فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰہ من الشّیطن الرّجیم** کا معنیٰ یہ ہوگا کہ قرآنِ پاک پڑھ لینے کے بعد **أعوذ باللّٰہ** ... پڑھنا چاہیے، یہاں بھی قرأت ماضی اور فاستعذ امر ہے۔

قرآنِ مجید میں ایک آیت سے بطریق اشارۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰىٓ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾(التوبۃ: ۸۴) ''آپ کبھی بھی ان (منافقین) پر نمازِ جنازہ نہ پڑھیں، نہ ہی ان کی قبر پر (دعا کے لیے) ٹھہریں۔''

نبیِ کریم ﷺ مسلمانوں کا جنازہ پڑھتے تھے تو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا، اسی طرح اگر آپ نمازِ جنازہ کے متصل بعد مسلمان میت کے لیے اجتماعی دعا کرتے ہوتے تو منافقین کے حق میں اس سے بھی روک دیا جاتا، ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ کے متصل بعد اجتماعی دعا سنتِ نبوی سے ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ④ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم صلّی علی المنفوس ، ثمّ قال : اللّٰھم أعذہ من عذاب القبر .

''بے شک نبی پاک ﷺ نے ایک نوزائیدہ کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو عذابِ (فتنہ) قبر سے پناہ دے۔''(کنز العمال: ۱۵/۷۱۶، طبع جدید حلب)

جواب ① اس کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''بے شک نبی کریم ﷺ نے ایک نوزائیدہ پر نمازِ جنازہ پڑھی اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو عذابِ (فتنۂ) قبر سے پناہ دے۔''

اس روایت میں ثـمّ ، واؤ کے معنیٰ میں ہے، یعنی نمازِ جنازہ پڑھی اور اس میں یہ دعا پڑھی، جیسا کہ محدثین کرام کے فہم سے پتا چلتا ہے، آج تک کسی ثقہ محدث نے اس کو جنازہ کے متصل بعد دعا کے ثبوت میں پیش نہیں کیا ہے۔

④ اس میں اجتماعی ہیئت کے ساتھ اور ہاتھ اٹھا کر دعا کا کوئی ذکر نہیں۔

⑤ یہاں حرف ثمّ کا معنیٰ فا ،یعنی تعقیب مع الوصل والا کرنا صحیح نہیں، کیونکہ ثمّ تعقیب مع تراخی کے لیے آتا ہے، اس جگہ بغیر کسی قرینۂ صارفہ کے اس کو تعقیب مع الوصل کی طرف پھیرنا صحیح نہیں ہے، حنفی فقہاء کی صراحت سے بھی یہی پتا چلتا ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

انّ النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب .

''بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کے موقع پر فاتحہ پڑھی۔'' (مشکوٰة المصابیح مع أشعة اللمعات : ۱/۶۸۶)

تبصرہ : ① یہ حدیث ''حسن'' درجہ کی ہے، اس کا ایک شاہد ام شریک کی روایت سے سنن ابنِ ماجہ (۱۴۹۶) میں موجود ہے، اس کو امام طبرانی نے اپنی کتاب المعجم الکبیر (۹۱/۲۵، ح : ۲۵۲) میں **حمّاد بن بشیر الجهضمی عن أبی عبداللّٰه الشّامی (مرزوق) عن شهر بن حوشب** کے طریق سے روایت کیا ہے، اس کے مزید شواہد کے لیے مجمع الزوائد (۳۲/۳) دیکھیں۔

② یہ روایت نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی زبردست دلیل ہے، اس کا ترجمہ امامِ بریلویت احمد یار خان نعیمی بریلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''روایت ہے حضرت ابنِ عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے پر سورۂ فاتحہ پڑھی۔'' (مشکوٰة شریف ترجمه از احمد یار خان بریلوی ، مکتبه اسلامیه اردو بازار لاهور : ۱/۳۶۱، «جاء الحق» : ۱/۲۷۵)

لہٰذا اس کا ترجمہ یہ کرنا کہ ''جنازہ کے موقع پر فاتحہ پڑھی'' یقیناً معنوی تحریف ہے۔

الصّلاة علی المیّت سے مراد نمازِ جنازہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: **صلّوا علی صاحبکم .** یعنی: ''تم اپنے ساتھی پر نمازِ جنازہ پڑھو۔'' (صحیح بخاری : ۲۳۹۷، صحیح مسلم : ۱۶۱۹)

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **ولا تصلّ علی أحد منهم مات أبدا** ﴾ (التوبة : ۸٤)

''آپ کبھی بھی ان (منافقین) پر نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔''

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ''جنازہ کے موقع پر نہ پڑھیں۔''!!!!

③ یہ ترجمہ محدثین کے فہم کے خلاف ہے، کسی ثقہ امام نے اس سے یہ مطلب اخذ نہیں کیا۔

امام ابنِ ماجہ رحمہ اللہ (۱۴۹۵) نے اس پر **باب ما جاء فی القراء ة علی الجنازة** قائم کیا ہے، اسی

طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس پر باب ما جاء فی القراء ة علی الجنازة قائم کیا ہے، یعنی نمازِ جنازہ میں قرائت کرنے کے بارے میں بیان۔

دوسری صحیح احادیث سے نصاً ثابت ہے کہ نمازِ جنازہ کے اندر سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، لہٰذا بعض الناس کا احتمال صحیح اور صریح احادیث اور محدثین کرام کے فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ومردود ہے۔

دلیل نمبر ⑥ : عبداللہ بن ابی بکر تابعی کہتے ہیں:

لمّا التقی النّاس بمئونة جلس رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم علی المنبر وکشف له ما بینه وبین الشام ، فهو ینظر الی معرکتهم ، فقال علیه السّلام : أخذ الرّأیة زید بن حارثة ، فمضی حتّی استشهد ، وصلّی علیه ودعا له وقال : استغفروا له وقد دخل الجنّة ، وهو یسعیٰ ، ثمّ أخذ الرّأیة جعفر بن أبی طالب ، فمضیٰ حتّی استشهد ، فصلّی علیه رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ودعا له وقال : استغفروا له ، وقد دخل الجنّة ، فهو یطیر فیها بجناحیه حیث شاء .

''جب لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھتے اور آپ کے لیے شام تک کا علاقہ واضح کر دیا جاتا، چنانچہ آپ ﷺ ان (مسلمانوں) کے معرکے دیکھتے، آپ نے فرمایا، زید بن حارثہ نے پرچم اٹھایا ہے اور چلتے رہے حتی کہ شہید کر دیئے گئے، آپ نے ان پر نمازِ (جنازہ) پڑھی اور ان کے لیے دعا کی اور فرمایا، ان کے لیے دعا کرو، وہ جنت میں دوڑتے ہوئے داخل ہو گئے، پھر جعفر بن ابی طالب نے پرچم پکڑا اور چلتے رہے حتی کہ وہ شہید کر دیئے گئے، ان پر رسول اللہ ﷺ نے نمازِ (جنازہ) پڑھی اور ان کے لیے دعا کی اور فرمایا، ان کے لیے دعا کرو، وہ جنت میں داخل ہو گئے، وہ جنت میں اپنے دونوں پروں کے ساتھ جہاں چاہتے اڑتے پھر رہے تھے۔'' (کتاب المغازی لمحمد بن عمر الواقدی : ۲۱۱/۲، نصب الرایة : ۲۸٤/۲)

تبصرہ : ① یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے، اس کا راوی محمد بن عمر الواقدی جمہور کے نزدیک ''ضعیف، متروک اور کذاب'' ہے، ابنِ ملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وقد ضعّفه الجمهور .**

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (البدر المنیر لابن الملقن : ۳۲٤/٥)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' کہا ہے۔ (تقریب التهذیب : ٦١٧٥)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **کتب الواقدیّ کذب .** ''واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندا ہیں۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲۱/۸، وسندهٗ صحیح)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لأنّه عندی ممّن یضع الحدیث .**

''میرے نزدیک یہ جھوٹی احادیث گھڑنے والا ہے۔'' (الجرح والتعدیل : ۲۱/۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے ''کذاب'' قرار دیا ہے۔ (الکامل لابن عدی : ۲۴۱/۶ ، وسندہٗ حسن)

امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام نسائی اور امام عقیلی رحمہم اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' کہا ہے، امام یحییٰ بن معین اور جمہور نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یروی أحادیث غیر محفوظة والبلاء منه ، ومتون أخبار الواقدیّ غیر محفوظة ، وھو بیّن الضّعف .** ''یہ غیر محفوظ احادیث بیان کرتا ہے اور یہ مصیبت اسی کی طرف سے ہے ، واقدی کی احادیث کے متون غیر محفوظ ہیں ، وہ واضح ضعیف راوی ہے۔'' (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ۲۴۳/۶)

② اس کا راوی عبدالجبار بن عمارہ القاری ''مجہول'' ہے، اسے امام ابوحاتم الرازی (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۳/۶) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ (میزان الاعتدال : ۵۳۴/۲) نے ''مجہول'' قرار دیا ہے، صرف امام ابنِ حبان نے اسے ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے، جو کہ نا کافی ہے۔

③ یہ روایت مرسل تابعی ہے، لہٰذا ارسال کی وجہ سے بھی ''ضعیف'' ہے۔

اس طرح کی روایت سے سنت کا ثبوت محال ہے۔

دلیل نمبر ⑦ : ابراہیم ہجری کہتے ہیں:

رأیت ابن أبی أوفیٰ ، وکان من أصحاب الشّجرة ، ماتت ابنته الی أن قال : ثمّ کبّر علیھا أربعا ، ثمّ قام بعد ذلک قدر ما بین التّکبیرتین یدعو وقال : رأیت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یصنع ھکذا . ''میں نے ابن ابی اوفیٰ کو دیکھا جو کہ بیعتِ رضوان والے صحابی ہیں، ان کی دختر کا انتقال ہوا۔۔۔آپ نے ان پر چار تکبیریں کہیں ، پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کے بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا، میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔''

(««جاء الحق»» : ۲۷۵، مقیاس حنفیت : ۵۲۶، بحوالہ کنز العمال : ۴۲۸۴۴)

تبصرہ : ① اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں ابراہیم بن مسلم ہجری راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، اس پر امام ابوحاتم الرازی، امام نسائی، امام بخاری، امام ترمذی، امام ابن عدی

،امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، امام جوزجانی، امام ابنِ سعد اور ابنِ جنید رحمہم اللہ کی سخت جروح ہیں۔
(دیکھیں تهذیب التهذیب لابن حجر : ۱۴۳/۱۔۱۴٤)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کو ” **ليّن الحديث، رفع موقوفات** “ کہا ہے۔ (تقريب التهذيب : ۲۵۲)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (تلخيص المستدرك للذهبی : ۵۵۵/۱)

② اس میں نمازِ جنازہ کے اندر چوتھی تکبیر کے بعد دعا کا ثبوت ملتا ہے، نہ کہ سلام کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا کا، ایک روایت میں صراحت بھی ہے کہ: **وكبّر على جنازة أربعا ، ثمّ قام ساعة يدعو ، ثمّ قال : أترونى كنت أكبّر خمسا ، قالوا : لا ...** ”آپ نے ایک جنازہ پر چار تکبیریں کہہ دیں، پھر کچھ دیر کے لیے دعا کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے، پھر فرمایا، کیا تم نے خیال کیا تھا کہ میں پانچویں تکبیر کہوں گا، لوگوں نے کہا، نہیں۔“

(السنن الكبرى للبيهقي : ۳۵/٤، وسندهٗ حسن ان صح سماع الحسن بن الصباح من أبى يعفور)

نیز امام بیہقی نے اس روایت پر یوں تبویب کی ہے: **باب ما روى فى الاستغفار للميّت والدّعاء له ما بين التّكبيرة الرّابعة والسّلام .** ”اس روایت کا بیان جس میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان میں میت کے لیے دعا کرنے کا ذکر ہے۔“ (السنن الكبرى للبيهقى : ٤٢/٤)

ایک محدث اپنی روایت کو اہلِ بدعت سے بہتر سمجھتا ہے، لہٰذا یہ روایت ہندوستانی بدعت کو بالکل سہارا نہیں دے سکتی۔

دلیل نمبر ⑧ : ابوبکر بن مسعود الکاسانی (م ۵۸۷ھ) ایک حدیث بیان کرتے ہیں:

أنّ النّبىّ صلّى اللّه عليه وسلّم صلّى على جنازة ، فلمّا فرغ جاء عمر ومعه قوم ، فأراد أن يصلّى ثانيا ، فقال له النّبىّ صلّى اللّه عليه وسلّم : الصّلاة على الجنازة لا تعاد ، ولكن ادع للميّت واستغفر له .

”بے شک نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کی نمازِ جنازہ پڑھی، جب پڑھ چکے تو حضرت عمر آپہنچے اور ان کے ہمراہ ایک گروہ بھی تھا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ دوبارہ جنازہ پڑھیں، تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ نمازِ جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی، ہاں! اب میت کے لیے دعا و استغفار کرلو۔“

(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع : ۷۷۷/۲، طبع جديد مصرى)

تبصرہ : ① یہ روایت بے سند، موضوع (من گھڑت)، باطل، جھوٹی، جعلی، خودساختہ، بناوٹی، بے بنیاد اور بے اصل ہے، محمد رسول اللہ ﷺ پر افترا اور جھوٹ ہے

② اُدْعُ کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ آپ دعا کریں، یہ نہیں کہ ہماری دعا میں شامل ہو جائیں۔

دلیل نمبر ⑩ : سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تلاوتِ قرآن سے محبت رکھنے والا مؤمن جب انتقال کرتا ہے تو **فتصلّی الملائكة على روحه في الأرواح ، ثمّ تستغفر له ...** ''تو فرشتے ارواح میں اس کی روح کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، پھر اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔'' (شرح الصدور : ص ٥٣، مطبوعہ مصر)

تبصرہ : ① یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **هذا حديث غريب في اسناده جهالة وانقطاع .**

''یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند میں مجہول راوی اور انقطاع ہے۔'' (شرح الصدور : ٥٣)

حافظ سیوطی کی کتاب سے یہ روایت تو نقل کی گئی، لیکن اس پر انہوں نے حکم لگایا تھا، واضح خیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ذکر نہیں کیا گیا۔

② اس روایت کے بارے میں امام بزار خود فرماتے ہیں: **خالد بن معدان لم يسمع من معاذ .** ''خالد بن معدان نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔'' (كشف الأستار : ٧١٢)

حافظ منذری رحمہ اللہ اس وجہِ ضعف کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **في اسناده من لا يعرف حاله ، وفي متنه غرابة كثيرة ، بل نكارة ظاهرة .** ''اس کی سند میں ایسا راوی بھی ہے جس کے حالات معلوم نہیں ہو سکے اور اس کے متن میں بہت غرابت ہے، بلکہ ظاہری نکارت ہے۔'' (الترغيب والترهيب : ٢٤٥/١)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ انقطاع کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **وفيه من لم أجد ترجمته .**

''اس میں ایک ایسا راوی بھی ہے، جس کے حالات مجھے نہیں ملے۔'' (مجمع الزوائد : ٢٥٤/٢)

③ اس میں نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کا ذکر نہیں، یہاں تو اس بات کا ذکر ہے کہ جب وہ (مؤحد) انتقال کرتا ہے تو فوراً فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، فرشتوں کی صلاۃ سے مراد دعا ہے، مؤمنین کے حق میں فرشتوں کی دعا سے مراد ان کے لیے مغفرت مانگنا ہوتا ہے، نہ کہ نمازِ جنازہ پڑھنا، جب

صلاۃ سے مراد یہاں نماز ہے ہی نہیں تو دعا بعد الصلاۃ (نماز کے بعد کی دعا) کہاں سے آ گئی؟

الیٰ یوم البعث کے الفاظ کو خیانت کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا جاتا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت تک اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہم فرشتوں کے افعال واقوال کے مکلّف نہیں ہیں، ہمارے لیے شرعی نصوص حجت ہیں، نہ ہی فرشتے اس شریعت کے مکلّف ہیں۔

دلیل نمبر ⑪ : عمیر بن سعد بیان کرتے ہیں:

صلّیت مع علیّ علی یزید بن المکفّف ، فکبّر علیه أربعا ، ثمّ مشیٰ حتّی أتاہ ، فقال : اللّٰھمّ عبدک وابن عبدک نزل بک الیوم ، فاغفر له ذنبه ووسّع علیه مدخله ، ثمّ مشیٰ حتّی أتاہ ، وقال : اللّٰھمّ عبدک وابن عبدک نزل بک الیوم ، فاغفر له ذنبه ووسّع علیه مدخله ، فانّا لا نعلم منه الّا خیرا وأنت أعلم به . ''میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یزید بن مکفف کی نمازِ جنازہ پڑھی، تو علی رضی اللہ عنہ نے اس پر چار تکبیریں (نمازِ جنازہ) پڑھیں، پھر چل کر قبر کے قریب ہوئے، پھر یہ دعا کی کہ اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہے جو آج تیرے یہاں حاضر ہوا تو تو اسے اس کے گناہ بخش دے اور اس کی قبر اس پر فراخ فرما دے، پھر آپ چلے اور اس کے مزید قریب ہو کر یہ دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! آج تیری بارگاہ میں تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا حاضر ہوا، پس تو اس کو اس کے گناہ معاف فرما دے اور اس پر اس کی قبر فراخ کر دے، کیونکہ ہم اس کے بارے میں سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتے اور تو خود اس کے متعلق بہتر جانتا ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۳۳۷/۳، مطبوعه بمبئی هند)

تبصرہ : ① اس روایت کا نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا سے کوئی تعلق نہیں، اس کا تعلق تو دفن کے بعد قبر پر دعا کرنے کے ساتھ ہے، جیسا کہ محدثین کی تبویب سے پتا چلتا ہے، امام ابنِ ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو **فی الدّعاء للمیّت بعد ما یدفن ویسوّی علیه** کے تحت ذکر کیا ہے، یعنی انہوں نے اس حدیث کو میت کو دفن کرنے کے اور مٹی برابر کرنے کے بعد دعا کے بیان میں پیش کیا ہے۔

اسی طرح امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ تبویب کی ہے: **باب الدّعاء للمیّت حین یفرغ منه .** ''دفن کرنے سے فارغ ہو کر میت کے لیے دعا کرنے کا بیان۔'' (مصنف عبد الرزاق : ۵۰۹/۳)

دیکھیں کہ اہل سنت کے دو بڑے امام اس روایت کو دفن کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں، محدثین کا فہم مقدم ہے، وہ اپنی روایات کو دوسروں سے بہتر جانتے تھے۔

② چلنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نمازِ جنازہ پڑھ کر قبر پر آئے اور قبر پر دفن کے بعد دعا کی، بلکہ سنن کبریٰ بیہقی (٥٦/٤) کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ: **وقد أدخل میّتا فی قبرہ ، فقال : اللّٰھمّ ..**
''آپ میت کو قبر میں داخل کر چکے تھے تو دعا کی، اے اللہ!۔۔۔۔''

③ اس روایت میں اجتماعی ہیئت کا بھی ذکر نہیں ہے۔

دلیل نمبر ⑫ : **عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ أنّہ صلّی علی المنفوس ، ثمّ قال : اللّٰھمّ أعذہ من عذاب القبر .** ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک نومولود پر نمازِ جنازہ پڑھی، پھر یہ دعا کی، اے اللہ! اس کو فتنۂ قبر سے اپنی پناہ میں رکھنا۔'' (السنن الکبری للبیھقی : ٩/٤)

تبصرہ : ① اس کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے:

''روایت ہے حضرت سعید بن مسیّب سے کہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابو ہریرہ کی اقتداء میں اس بچے پر نماز پڑھی، جس نے کبھی کوئی خطا نہ کی تھی، لیکن میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ الٰہی! اسے عذابِ قبر سے بچالے۔'' (مشکوٰۃ شریف ترجمہ از احمد یار خان نعیمی بریلوی : ٣٦٤/١)

② امام اہل سنت امام مالک رحمہ اللہ نے اس روایت کو **باب ما یقول المصلّی علی الجنازۃ** ''جنازہ پڑھنے والا نمازِ جنازہ میں جو پڑھے گا، اس کا بیان'' کے تحت لائے ہیں۔ (المؤطا : ٢٢٨/١)

③ مزید جوابات حدیث نمبر ① کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

④ اس میں نمازِ جنازہ کے متصل بعد فاتحہ اور چار قل کا کوئی ثبوت نہیں، نہ ہی اجتماعی ہیئت کا کوئی ذکر ہے۔

دلیل نمبر ⑬ : کاسانی نقل کرتے ہیں:

انّ ابن عباس و ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم فاتتھما صلاۃ علی الجنازۃ ، فلمّا حضرا ما زادا علی الاستغفار لہ . واللّفظ للکاسانی . ''سیدنا ابنِ عباس اور ابنِ عمر ایک نمازِ جنازہ سے رہ گئے تو جب حاضر ہوئے تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔''

(المبسوط : ٦٧/٢، طبع بیروت ، بدائع الصنائع : ٧٧٧/٢)

تبصرہ : ① یہ روایت بے سند، موضوع (من گھڑت)، باطل، جھوٹی، جعلی، خودساختہ،

بناوٹی، بے بنیاد اور بے اصل ہے، جھوٹی اور بے سند روایات وہی پیش کرسکتا ہے جو بدعتوں کا شیدائی اور سنتوں کا دشمن ہو مقلدین کے ''فقہاء'' کی کتابیں اس طرح کی واہی تباہی سے بھری پڑی ہیں، ان کے دین میں سند نام کی کوئی چیز نہیں، اسی لیے محدثین کرام ان کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ فافہم وتدبّر !

دلیل نمبر ⑬ : سیدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا، کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا: **جوف اللّیل الآخر ودبر الصّلوات المکتوبات .**

''رات کے آخری نصف اور فرضی نمازوں کے بعد والی۔'' (سنن الترمذی : ۳٤۹۹، عمل الیوم واللیلة للنسائی : ۱۰۸)

تبصرہ : ① اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، عبدالرحمٰن بن سابط راوی نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا، امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن سابط نے سیدنا ابوامامہ سے سماع نہیں کیا۔'' (تاریخ یحیی بن معین : ۳٦٦)

حافظ ابن القطان الفاسی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **واعلم أنّ ما يرويه عبد الرحمن بن سابط عن أبی أمامة ليس بمتّصل ، وانّما هو منقطع ، لم يسمع منه .** ''یاد رہے کہ جو روایات عبدالرحمٰن بن سابط سیدنا ابوامامہ سے بیان کرتے ہیں، وہ تمام متصل نہیں ہیں، وہ تو منقطع ہیں، کیونکہ عبدالرحمٰن بن سابط نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔'' (نصب الرایة للزیلعی : ۲۳٥/۲، بیان الوهم والایهام : ۳۸٥/۲)

لہٰذا امام ترمذی رحمہ اللہ کا اس کو ''حسن'' کہنا صحیح نہیں۔

دلیل نمبر ⑭ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من عبد بسط كفّيه فی دبر كلّ صلاة ، ثمّ يقول : اللّٰهمّ الٰهی واله ابراهيم واسحاق ويعقوب واله جبرئيل وميكائيل واسرافيل عليهم السّلام ! أسألک أن تستجيب دعوتی ، فانّی مضطرّ ، وتعصمنی فی دينی ، فانّی مبتلی ، وتناولنی برحمتک ، فانّی مذنب ، وتنفی عنی الفقر ، فانّی متمسكن ، الّا كان حقّا علی اللّٰه عزّوجلّ أن لّا يردّ يديه خاليتين .

''جو آدمی بھی اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر ہر نماز کے بعد کہے، اے اللہ! اے میرے الہ اور ابراہیم، اسحاق، یعقوب، جبریل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام کے الہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا کو قبول کر لے، میں لاچار ہو، تو مجھے میرے دین میں عصمت دے دے، میں آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا ہوں، تو مجھے اپنی رحمت دے دے، میں گناہ گار ہوں اور تو مجھ سے فقر کو دور کر دے، میں تنگدست ہوں، اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ

اس کے دونوں ہاتھ خالی نہ لوٹائے۔'' (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی : ۱۲۹)

تبصرہ : یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن القرشی البالسی ''متروک'' ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **اضرب علی أحادیثه ، هی کذب ، أو قال : موضوعة .** ''اس کی احادیث کو پھینک دے، وہ جھوٹ ہیں۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۸۸/۵)

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لیس بثقة .** ''یہ ثقہ نہیں۔'' (الضعفاء والمتروکون : ص ۲۱۱)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وعبدالعزیز هذا یروی عن خصیف أحادیث بواطیل.** ''یہ عبدالعزیز خصیف سے جھوٹی روایات بیان کرتا ہے۔'' (الکامل لابن عدی : ۲۸۹/۵)

② عبدالعزیز نے یہ روایت خصیف الجزری سے ذکر کی ہے، جو کہ متکلم فیہ راوی ہے، نیز اس کا سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع بھی نہیں ہے۔

③ اسحاق بن خالد بن یزید البالسی کے بارے میں امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ورو ایاته تدلّ عمن روی عنه بأنّه ضعیف .** ''اس کی روایات دلالت کرتی ہیں کہ جس سے بھی اس نے روایت لی ہے، بہرحال ضعیف ہے۔'' (الکامل لابن عدی : ۳٤٤/۱)

قارئین ! اس روایت سے نمازِ جنازہ کے متصل بعد اجتماعی ہیئت سے دعا کا اثبات کرنا انصاف وعلم کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

دلیل نمبر ⑮ : **عن عبد اللّٰه بن سلام أنّه فاتته الصّلاة علی جنازة عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ، فلمّا حضر قال : ان سبقتمونی بالصّلاة علیه ، فلا تسبقونی بالدّعاء له .**

''سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ سے پیچھے رہ گئے تو جب پہنچے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ تو مجھ سے پہلے پڑھ لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔'' (المبسوط : ٦٧/٢، طبع بیروت ، بدائع الصنائع : ٧٧٧/٢، طبع جدید مصر)

تبصرہ : ① یہ روایت بے سند، موضوع (من گھڑت)، باطل، جھوٹی، بے بنیاد اور بے اصل ہے، حدیث کی کسی کتاب میں اس کا وجود نہیں ملتا، سچ ہے کہ جب تک شیطان اور اس کے حواری دنیا

میں موجود ہیں، جھوٹی روایات کا سلسلہ جاری رہے گا۔

② اس کا مطلب ہے کہ اگر تم نے مجھ نے سے پہلے نمازِ جنازہ پڑھ لی ہے تو دفن کے بعد دعا میں مجھے شریک کر لینا۔

دلیل نمبر ⑯ : عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں: **ومن ذلک قول أبی حنیفة :**

انّ التّعزیة سنّة قبل الدّفن لا بعده ... لأنّ شدّة الحزن انّما تکون قبل الدّفن ، فیغری ویدعی له .

''اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ دفن کے بعد ۔۔۔ اس لیے کہ غم کی شدّت دفن سے پہلے ہی ہوتی ہے، لہٰذا (قبل دفن ہی) تعزیت اور میت کے واسطے دعا کی جانی چاہیے۔'' (کتاب میزان الشریعة الکبری : ۱۸۵/۱، مطبوعه مصر)

تبصرہ : عبدالوہاب شعرانی سے لے کر ابوحنیفہ تک صحیح سند ثابت کریں، ورنہ اہل بدعت مانیں کہ وہ امام ابوحنیفہ پر بھی جھوٹ باندھنے سے باز نہیں آتے۔

دلیل نمبر ⑰ : مفتیٰ بہ روایت

صاحبِ کشف الغطاء مانعین کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''دفن سے پہلے میت کے لیے فاتحہ اور دعا کرنا درست ہے۔ یہی روایت معمولہ (مفتیٰ بہ) ہے، ایسا ہی خلاصة الفقہ میں ہے۔''

(العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویه : ۳۰/٤، طبع لائلپور)

تبصرہ : ① یہ قول بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

② جمہور حنفی فقہاء کی تصریحات کے خلاف بھی ہے۔

③ تقلید پرست امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں یا صاحبِ ''کشف الغطاء'' کے، وضاحت کریں!

دلیل نمبر ⑱ : فضلی حنفی کی تصریح

عبدالعلی البرجندی محمد بن الفضل سے نقل کرتے ہیں: **قال محمّد بن الفضل : لا بأس به (أی بالدّعاء بعد صلاة الجنازة) .** ''محمد بن الفضل نے فرمایا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنے میں کچھ حرج نہیں۔'' (برجندی شرح مختصر الوقایة : ۱۸۰/۱، طبع نولکشوری)

تبصرہ : ① برجندی حنفی نے محمد بن فضل کا یہ قول صاحب ''قنیہ'' زاہدی جو معتزلی ہے،

سے نقل کیا ہے، امامِ بریلویت احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں: ''قنیہ غیر معتبر کتاب ہے، اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں کہ صاحبِ قنیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے، اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں، اعلیحضرت (احمد رضا خان بریلوی) قدس سرہ نے بذل الجوائز میں فرمایا ہے کہ قنیہ والا معتزلی، بدمذہب ہے۔'' («جاء الحق» : ۲۸۱/۱)

امامِ بریلویت احمد رضا خان بریلوی خود لکھتے ہیں: ''اس کی نقل پر اعتماد نہیں۔''

(بذل الجوائز مندرج فتاوی رضویه : ۲۵٤/۹)

۲ تقلید پرست یہ بتائیں کہ وہ محمد بن فضل کے مقلد ہیں یا امام ابوحنیفہ کے، اپنے امام سے باسندِ صحیح جنازہ کے متصل بعد اجتماعی دعا کا جواز ثابت کریں۔

۳ محمد بن فضل کا قول جمہور حنفی فقہاء کے مقابلے میں بھی مردود ہو جائے گا۔

۴ اس کتاب میں قنیہ کے حوالے سے لکھا ہے: **عن أبی بکر بن أبی حامد أنّ الدّعاء بعد صلاة الجنازة مکروه .** ''ابوبکر بن حامد حنفی سے روایت ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہوتی ہے۔'' اس قول کی تائید فتاویٰ فیض کرکی میں موجود ہے۔

الحاصل : نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کرنے کے ثبوت میں پیش کی گئی دونوں آیاتِ قرآنی اور تیسری، چوتھی اور پانچویں دلیل میں پیش کی گئی احادیث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

چھٹی دلیل کے تحت پیش کی گئی حدیث موضوع (من گھڑت) اور باطل و مردود ہے، ساتویں دلیل میں مذکور حدیث ''ضعیف'' ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع سے خارج بھی ہے، کیونکہ اس میں چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کا ذکر ہے۔

آٹھویں اور نویں دلیل کے تحت ذکر کی گئی احادیث بھی من گھڑت اور سخت ''ضعیف'' ہیں، دسویں اور گیارہویں دلیل میں پیش کردہ حدیث کا بھی جنازہ کے متصل بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا سے کوئی تعلق نہیں۔

لہٰذا اللہ کے فضل و کرم سے اس بدعت کے حق میں پیش کیے جانے والے دلائل کا جائزہ لے کر ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کرنا بدعتِ قبیحہ ہے۔

دس سوالات

اس بدعت پر زور دینے والوں سے ان دس سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

① نبیٔ کریم ﷺ سے نمازِ جنازہ کے فوراً بعد دعا کے جواز میں نصِ صریح پیش کریں!

② نبیٔ اکرم ﷺ سے نمازِ جنازہ کے متصل بعد اجتماعی ہیئت کے ساتھ دعا کرنے کے ثبوت پر کم از کم ایک ''ضعیف'' حدیث ہی پیش کر دیں، جس میں نمازِ جنازہ کے متصل بعد اجتماعی دعا کی صراحت ہو!

③ کسی ایک صحابیٔ رسول ﷺ سے نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کرنا با سندِ صحیح ثابت کریں!

④ کسی صحابیٔ رسول سے نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کرنے کا ثبوت کسی ''ضعیف'' روایت سے ثابت کریں، جس میں نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کی صراحت موجود ہو!

⑤ نبیٔ اکرم ﷺ سے کسی موضوع (من گھڑت) حدیث سے نمازِ جنازہ کے فوراً بعد دعا کا ثبوت پیش کریں!

⑥ کسی صحابی سے موضوع (من گھڑت) روایت پیش کریں، جس میں اس بات کا ذکر ہو کہ انہوں نے نمازِ جنازہ کے فوراً بعد دعا کی تھی!

⑦ امام ابوحنیفہ سے با سندِ صحیح نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کا جواز ثابت کریں!

⑧ فقہ حنفی کی کسی معتبر ترین کتاب سے اس کا جواز ثابت کریں!

⑨ کسی ثقہ امام سے نمازِ جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا با سندِ صحیح ثابت کریں!

⑩ کسی ثقہ امام کا نام بتائیں، جس نے ان مذکورہ دلائل سے نمازِ جنازہ کے فوراً بعد دعا کرنے کا جواز ثابت کیا ہو یا ایسا باب قائم کیا ہو!

❀❀❀❀❀❀❀

قارئین کرام تصحیح فرمالیں

❀ ماہنامہ **السنّة** جہلم کے شمارہ نمبر⑬ صفحہ نمبر ۳ سطر نمبر ۱۵ میں کمپوزنگ کی غلطی سے لفظ نَزَّلَهُ کے بجائے نِزَّلَهُ (نون کے فتح کے بجائے نون کے کسرہ کے ساتھ) چھپ گیا ہے۔

❀ اسی طرح صفحہ نمبر ㉒ سطر نمبر ۲ میں ''سولہ سترہ ماہ'' کے بجائے غلطی سے ''سولہ سترہ سال'' چھپ گیا ہے۔

❀ نیز ''ایک صحیح حدیث'' کے عنوان کے تحت آخری ٹائٹل کی اندرونی جانب سطر نمبر ⑱ میں

أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰه کے بجائے کمپوزنگ کی غلطی سے أصحّ الکتب بعد اللّٰہ چھپ گیا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود غلطی کا رہ جانا انسانی فطرت ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی خاص توفیق کے ساتھ ہمیں غلطیوں سے محفوظ رکھے۔ ناشر

سوال : ① حدیث کلّ أیّام التّشریق ذبح بلحاظِ سند کیسی ہے؟

جواب یہ حدیث جمیع سندوں کے ساتھ ''ضعیف'' ہے۔

① اس کو ابونصر التمار عبدالملک بن عبدالعزیز القشیری نے سعید بن عبدالعزیز عن سلیمان بن موسیٰ عن عبدالرّحمٰن بن أبی حسین عن جبیر بن مطعم کی سند سے مرفوع روایت کیا ہے: وفی کلّ أیّام التّشریق ذبح . ''ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) کا ہر دن قربانی کا دن ہے۔'' (مسند البزار (کشف الاستار : ۱۱۲۶)، الکامل لابن عدی : ۲۶۹/۳، نسخہ اخری : ۱۱۱۸/۳، واللفظ لہ، السنن الکبری للبیھقی : ۲۹۵/۹۔۲۹۶، المحلی لابن حزم : ۲۷۲/۷)

اس کو امام ابنِ حبان (۳۸۵۴) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

تبصرہ : یہ سند انقطاع کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفی اسنادہ انقطاع ، فانّہ من روایة عبد اللّٰہ (والصّواب عبد الرّحمٰن) ابن أبی حسین عن جبیر بن مطعم ، ولم یلقہ . ''اس کی سند میں انقطاع ہے، یہ عبدالرحمٰن بن ابی حسین کی روایت ہے، وہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے نہیں ملے۔'' (التلخیص الحبیر : ۲۵۵/۲)

عبدالرحمٰن بن ابی حسین النوفلی ''مجہول الحال'' ہے، امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق بیان نہیں کی۔

② اس روایت کو ابوالمغیرہ عبدالقدوس بن الحجاج الحمصی (اور ابوالیمان الحکم بن نافع الحمصی مسند احمد: ۸۲/۴، بیہقی: ۲۹۵/۹) نے سعید عن سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم کی سند سے روایت کیا ہے۔

(مسند الامام احمد : ۸۲/٤، السنن الکبری للبیھقی : ۲۳۹/۵، ۲۹۵/۹)

تبصرہ : اس کی سند بھی انقطاع کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا هو الصّحيح ، وهو مرسل . ''یہی صحیح ہے، لیکن یہ مرسل ہے۔''

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هكذا رواه أحمد ، وهو منقطع ، فان سليمان بن موسىٰ الأشدق لم يدرك جبير بن مطعم .** ''امام احمد نے اس حدیث کواسی طرح بیان کیا ہے، اور یہ منقطع ہے، کیونکہ سلیمان بن موسیٰ الاشدق نے سیدنا جبیر بن مطعم کا زمانہ نہیں پایا۔'' (نصب الراية للزيلعي : ٦١/٣)

③ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أخرجه أحمد لكن في سنده انقطاع ، ووصله الدّارقطني ورجاله ثقات .** ''اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے، اس کو دارقطنی (٢٨٤/٤، ح : ٤٧١١-٤٧١٢) نے موصول ذکر کیا ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

(فتح الباري : ٨/١٠)

تبصرہ : حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ اس کو موصول کیا ہے، محل نظر ہے، سوید بن عبدالعزیز کا سعید بن عبدالعزیز التنوخی سے سماع مطلوب ہے۔

نیز حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، بالکل صحیح نہیں، خود حافظ ابنِ حجر نے اس راوی سوید بن عبدالعزیز کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔'' (تقريب التهذيب : ٢٦٩٢، لسان الميزان : ٣/٤، فتح الباري : ٥٧٢/١)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعّفه أحمد وجمهور الأئمّة ووثّقه دحيم .**

''اس کو امام احمد اور جمہور ائمہ نے ضعیف اور امام دحیم نے ثقہ کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ١٤٨/٣، ٨٩/٧)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهذا غير قويّ لأنّ راويه سويد .** ''یہ سند قوی نہیں ہے، کیونکہ اس کا راوی سوید (بن عبدالعزیز) ہے۔'' (السنن الكبرى للبيهقي : ٢٣٩/٥)

④ **عمرو بن أبي سلمه التّنّيسي عن حفص بن غيلان عن سليمان بن موسىٰ أنّ عمرو بن دينار حدّثه عن جبير بن مطعم رفعه : كلّ أيّام التّشريق ذبح .**

یہ سند ''ضعیف'' ہے، اس کا راوی احمد بن عیسیٰ الخشاب مجروح ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس بالقويّ . ''یہ قوی نہیں ہے۔'' (سوالات السلمي : ٦٢)

ابنِ طاہر کہتے ہیں: **كذّاب يضع الحديث .** ''پرلے درجے کا جھوٹا راوی ہے اور حدیثیں گھڑتا ہے۔'' (لسان الميزان : ٢٤٠/١)

امام ابنِ حبان فرماتے ہیں: ''یہ مشہور راویوں کی طرف منکر روایتیں منسوب کر کے بیان کرتا ہے اور ثقہ راویوں کی طرف مقلوبات منسوب کر کے بیان کرتا ہے، یہ منفرد ہو تو نا قابل حجت ہے۔''

(المجروحین : ۱/۱٤٦)

امام ابنِ یونس کہتے ہیں: وکان مضطرب الحدیث جدّا . ''اس کی حدیث سخت مضطرب ہوتی ہے۔'' (لسان المیزان لابن حجر : ۱/۲٤۰) اس پر توثیق کا ایک حرف بھی ثابت نہیں ہے۔

⑤ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أیّام التّشریق کلّها ذبح . ''ایام تشریق سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں۔''

(الکامل لابن عدی : ٦/٤۰۰)

تبصرہ : یہ سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، اس کا راوی معاویہ بن یحییٰ الصدفی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وضعّفه الجمهور .

''جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد للهیثمی : ۳/۸۵)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' ہے۔ (تقریب التهذیب : ٦۷۷۲)

اس میں امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' ہے، پھر امام زہری نے اسے ''مرسل'' بھی بیان کیا ہے۔

الحاصل : حدیث کلّ أیّام التّشریق ذبح (ایام تشریق سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں) جمیع سندوں کے ساتھ ''ضعیف'' ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

سوال :② کیا اذانِ فجر میں الصّلاة خیر من النّوم کے الفاظ عہدِ نبوی میں موجود تھے؟

جواب ① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

من السّنّة اذا قال المؤذّن فی أذان الفجر حیّ علی الفلاح ، قال : الصّلاة خیر من النّوم .

''یہ سنتِ نبوی سے ثابت ہے کہ جب مؤذّن اذانِ فجر میں حیّ علی الفلاح کے الفاظ کہے تو الصّلاة خیر من النّوم کے الفاظ کہے۔''

(سنن الدارقطنی : ۲٤۳/۱، ح : ۹۳۳، السنن الکبری للبیهقی : ٤۲۳/۱، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۳۸٦) اور امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (۲۵۹۸) نے ''صحیح'' کہا ہے، جبکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

یاد رہے کہ جب کوئی صحابی کسی حدیث میں **من السّنّة** کے الفاظ کہے تو وہ حدیث بالاتفاق مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے، ثابت ہوا کہ عہدِ نبوی میں **الصّلاة خیر من النّوم** کے الفاظ اذانِ فجر میں کہے جاتے تھے۔

② یہ الفاظ خود نبیٔ اکرم ﷺ نے سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو سکھائے تھے۔

(سنن ابی داوٗد : ۵۰۱، سنن النسائی : ٦۳٤، وسندهٗ حسن ، والحدیث صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۳۸۵) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ حازمی رحمہ اللہ نے اسے امام ابوداوٗد، امام ترمذی اور امام نسائی کی شرط پر ''حسن'' قرار دیا ہے۔ (الاعتبار : ٦۹۔۷۰)

اس کا راوی عثمان بن السائب جمحی اور اس کا باپ السائب جمحی دونوں ''حسن الحدیث'' ہیں، امام ابنِ خزیمہ، امام ابنِ حبان رحمہما اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

تنبیه : موٴطا امام مالک میں یوں روایت ہے:

أنّه بلغه أنّ المؤذّن جاء الی عمر بن الخطّاب یؤذّنه لصلاة الصّبح ، فوجده نائما ، فقال : الصّلاة خیر من النّوم ، فأمره عمر أن یجعله فی نداء الصّبح .

''(امام مالک فرماتے ہیں) ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ موٴذّن سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز کی اطلاع دینے آیا، اس نے آپ کو سویا ہوا پایا تو کہا، **الصّلاة خیر من النّوم** (نماز نیند سے بہتر ہے)، اس کو عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ صبح کی اذان میں یہ کلمات پڑھا کرے۔'' (المؤطا لامام مالك : ۷۲/۱)

اس روایت کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ ان الفاظ کا اذان میں اضافہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا ہے، لیکن ان کی بات قطعاً غلط ہے، کیونکہ اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، امام مالک رحمہ اللہ تک یہ بات پہنچانے والا نامعلوم ہے، شریعت نے ہمیں نامعلوم اور ''مجہول'' لوگوں کی روایات کو قبول کرنے کا مکلّف نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ جن سے اللہ کا دین لیں، ان کا اپنا دین بھی ہمیں معلوم ہونا ضروری ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اچھا جانا اور مؤذن سے کہا:

أقرّها في أذانک . ''تو ان الفاظ کو اپنی اذان میں برقرار رکھ۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ : ۲۰۸/۱)

اس کی سند اسماعیل نامی راوی کے ''مجہول'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، لہٰذا دونوں روایتیں مردود اور ناقابل حجت ہوئیں۔

ثابت ہوا کہ اذانِ فجر میں **الصّلاۃ خیر من النّوم** کے الفاظ سنت سے ثابت ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤذن سے فرمایا تھا کہ جب وہ فجر کی اذان میں **حیّ علی الفلاح** پر پہنچے تو **الصّلاۃ خیر من النّوم** کہے۔ (سنن الدارقطنی : ۲۵۰/۱، ح : ۹۳۵، وسندہٗ حسنٌ)

یہ الفاظ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے اضافے کے لیے نہیں، بلکہ سنت کی پیروی میں کہے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ الفاظ اذان میں کہنا ثابت ہیں۔''

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۲۰۸/۱، وسندہٗ صحیحٌ)

الحاصل : **الصّلاۃ خیر من النّوم** کے الفاظ اذانِ فجر میں عہدِ نبوی سے شامل ہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اذان میں شامل کیے تھے، ان کی بات بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿

آبِ زمزم

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہاں (حرم) میں کب سے ہیں؟ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تیس دنوں سے یہاں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیس دنوں سے یہاں ہو؟ میں نے کہا، جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، آپ کا کھانا کیا تھا؟ میں کہا، آبِ زمزم کے علاوہ میرا کوئی کھانا پینا نہیں تھا، یقیناً میں موٹا ہو گیا ہوں، میرے پیٹ کی سلوٹیں ختم ہو گئی ہیں، میں نے اپنے کلیجے میں بھوک کی وجہ سے لاغری اور کمزوری تک محسوس نہیں کی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّھا مبارکۃ ، وھی طعام و شفاء سقم . ''آبِ زمزم بابرکت پانی ہے، یہ کھانا بھی اور بیماری کی شفا بھی۔'' (مسند الطیالسی : ص ۶۱، ح : ۴۵۷، وسندہٗ صحیحٌ)

فائدہ : حدیث ماء زمزم لما شُرب له (آبِ زمزم جس مقصد کے لیے پیا جائے، وہ حاصل ہوجاتا ہے) کی جمیع سندیں ''ضعیف'' ہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀
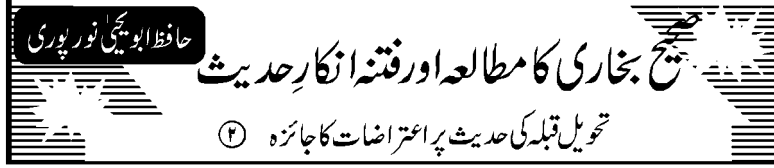
تحویل قبلہ پر عقلی اعتراضات اور ان کا جائزہ

پچھلی قسط میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سند کے اعتبار سے تحویل قبلہ والی حدیثِ براء بن عازب رضی اللہ عنہ بالکل صحیح ہے اور اس کی سند پر کیے گئے ''میرٹھی اعتراضات'' محض کم علمی اور تعصب کی پیداوار ہیں، اب ہم میرٹھی صاحب کے اس حدیث کے متن پر کیے گئے بے عقلی پر مبنی ''عقلی اعتراضات'' کا جائزہ لیتے ہیں:

اعتراض نمبر ①: ''زہیر و اسرائیل کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۶ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے کے بعد جو سب سے پہلی نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی ہے، وہ نمازِ عصر تھی، جو آپ نے اپنی مسجد میں ادا فرمائی تھی۔

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تحویل قبلہ کا حکم اس نمازِ عصر سے پہلے ہوا تھا، لیکن ابوالاحوص کی روایت میں جو صحیح مسلم میں ہے، یہ تصریح ہے کہ یہ حکم اس نماز کے بعد ہوا تھا، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ سب سے پہلی نماز جو آپ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی تھی، وہ نمازِ مغرب تھی، تینوں راوی ثقہ ہیں اور کوئی دلیل ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر ہم زہیر و اسرائیل کی بیان کردہ بات کو یا ابوالاحوص کی بیان کردہ بات کو ترجیح دیں، یہ کھلا ہوا تعارض خود ابواسحاق کی طرف سے ہے، ابواسحاق نے زہیر و اسرائیل سے جو بیان کیا تھا، ابوالاحوص سے اس کے خلاف بیان کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فی الواقع کیا بیان کیا تھا؟ ابواسحاق کو ان کی بتائی ہوئی بات صحیح طور پر یاد نہ تھی۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱/۳۰۔۳۱)

جواب : ① قارئین کرام! صحیح مسلم کی جس صحیح حدیث کی وجہ سے میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی ایک صحیح حدیث پر ایک غلط اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے، آپ اس کے الفاظ بھی ملاحظہ کریں

اور ان کا ''میرٹھی ترجمہ'' بھی، پھر فیصلہ خود کریں کہ انہوں نے حق و سچ اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہے یا نہیں؟ صحیح مسلم کے وہی الفاظ جو میرٹھی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں، یہ ہیں:

عن أبی اسحاق عن البراء بن عازب ، قال : صلّیت مع النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الی بیت المقدس ستّة عشر شهرا ، حتّی نزلت الآية الّتی فی سورة البقرة ..... ، فنزلت بعد ما صلّی النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم .....

اس کا ترجمہ معترض صاحب نے یوں کیا ہے: ''ابواسحاق نے براء بن عازب سے روایت کی ہے، براء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ۱۶ ماہ نماز ادا کی ہے، یہاں تک کہ سورۃ البقرہ کی آیت نازل ہوئی، جس میں ہر جگہ خانۂ کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم ہے، یہ آیت آپ پر نمازِ عصر کے بعد اتری، یعنی نمازِ عصر تو آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی سمت ہی پڑھی تھی، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔۔''

یہ ترجمہ حدیثِ نبوی پر جھوٹ اور معنوی تحریف ہے، اس حدیث میں صرف یہ بیان ہے کہ تحویلِ قبلہ والی آیات نبی ﷺ کے نماز پڑھ لینے کے بعد نازل ہوئیں، اس کا ترجمہ کرتے ہوئے محض انکارِ حدیث کا جواز بنانے کے لیے ''عصر'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دینا بدترین قسم کی خیانتِ علمی ہے!

جب دوسری احادیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ آیات عصر کی نماز سے پہلے نازل ہوئی تھیں تو اس حدیث میں جس نماز کے بعد نازل ہونے کا تذکرہ ہے، وہ یقیناً ظہر کی نماز ہے، اگر ایک کام کے بارے میں ایک مرتبہ کہا جائے کہ وہ عصر سے پہلے ہوا ہے اور دوسری مرتبہ کہہ دیا جائے کہ وہ ظہر کے بعد ہوا ہے تو کیا اس پر اعتراض کرنا عقل مندی ہے؟

(۲) مسلمان اتفاقی طور پر حدیثِ رسول کو بھی وحیٔ الٰہی سمجھتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ نمازِ عصر سے پہلے وحی خفی، یعنی حدیث کے ذریعے آپ کو تحویلِ قبلہ کی اطلاع دی گئی ہو اور اس وحی پر عمل کر کے آپ نے عصر کی نماز کعبہ کی طرف پڑھی ہو، پھر نماز کے بعد میں وحی جلی، یعنی قرآنِ کریم بھی نازل کر دی گئی ہو!

(۳) اگر کسی کج فہم شخص کو قرآنِ کریم میں ''ایسا کھلا ہوا تعارض'' محسوس ہو تو کیا میرٹھی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے ہاں اس کی یہ بے عقلی معتبر ہوگی؟ مثلاً اگر وہ کہہ دے کہ:

''سورۂ بقرہ میں بیان ہے کہ زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی طرف قصد کیا اور

سات آسمان بنائے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَّهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ (البقرة : ۲۹)

''وہی ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے، تمہارے لیے پیدا کیا، پھر آسمانوں کی طرف قصد کیا تو ان کو سات آسمان بنایا۔''

جبکہ یہی بات سورۃ النازعات میں اس کے الٹ بیان ہوئی ہے، وہاں ہے:

﴿ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ☆ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ☆ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ☆ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ☆﴾(النازعات : ۲۷۔۳۰)

''کیا تم (دوبارہ) پیدا کیے جانے کے اعتبار سے زیادہ سخت ہو یا آسمان؟ اس (اللہ) نے اسے بنایا، اس نے اس کی چھت بلند کی، پھر اس کو درست کیا، اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔''

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ آسمان کو پہلے اور زمین کو بعد میں پیدا کیا گیا ہے۔۔۔اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اس نے فی الواقع کیا فرمایا تھا؟ (معاذ اللہ!) مسلمان اس کی نازل کی ہوئی بات کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھ سکے۔۔۔''

تو منکرینِ حدیث کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ جو جواب وہ قرآنِ کریم کی آیات کے بارے میں دیں گے، وہی ہم ان کو احادیثِ نبویہ کے بارے میں دے دیں گے۔

اعتراض نمبر ② : ''زہیر کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہود کو یہ بات بڑی اچھی لگی تھی، کیونکہ ان کا قبلہ بھی بیت المقدس ہی تھا، مگر جب آپ نے بحکمِ حق خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دیا تو انہیں برا لگا اور لگے اس پر اعتراض کرنے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ نامعقول بات حضرت براء نے بیان نہ کی ہوگی، اس لیے کہ یہود من حیث القوم اول روز سے ہی رسول اللہ ﷺ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ مدینہ منورہ آپ کے تشریف لانے پر انہوں نے طے کر لیا تھا کہ ہمیں اس شخص کی کوئی بات نہیں ماننی ہے، آپ سے بغض وکینہ رکھنے میں قوم یہود نے کفارِ مکہ کو بھی مات کر دیا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد ڈیڑھ سال تک بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا ہوتا تو وہ آپ کے اس عمل کو مزید طعن وتشنیع کا ہدف بنا لیتے اور لوگوں سے کہتے کہ ہماری نقالی کے سوا ان صاحب کے پاس ہے ہی کیا؟'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۳۱/۱)

جواب : ② واقعی یہود شروع سے ہی مسلمانوں کے دشمن تھے اور ان سے کبھی خوش نہیں ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ منکرینِ حدیث کو عقل دے کہ اس حدیث میں ان کی جس خوشی کا ذکر ہے، اس سے مراد ان کا مسلمانوں سے خوش ہونا نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کے خلاف طعن وتشنیع کرنے کا یہ موقع ملنے کی وجہ سے آپس میں وہ خوش ہوئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ قبلہ کی تبدیلی کے سخت خواہش مند تھے، پھر جب قبلہ تبدیل ہوگیا تو یہودیوں کے ہاتھ سے یہ موقع نکل گیا، ان کو مسلمانوں کا اس اعتراض سے بچ جانا بالکل پسند نہ آیا، تب وہ اس تبدیلی پر اعتراض کرنے لگ گئے۔

اتنی سی بات میرٹھی صاحب کی عقل میں سمانہیں سکی اور وہ لگے ہیں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری پر اعتراض کرنے، یہ ہے ان کے اس عقلی اعتراض کی عقلی حیثیت! اس سے بھلا صحیح بخاری کی صحت پر کیا اثر پڑ گیا ہے؟

② جب کسی کے ذہن میں انکار سما جائے تو وہ اس طرح کے سینکڑوں بے وقوفانہ اعتراضات قرآنِ کریم پر بھی کر سکتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ:

''جب تک مسلمان اپنے دین پر قائم ہیں، یہود ونصاریٰ ان کے دوست نہیں ہو سکتے، یہ دونوں قومیں شروع سے ہی اسلام کی سخت دشمن ہیں، یعنی اسلام دشمنی میں دونوں متحد ہیں، جیسا کہ قرآن نے بھی بیان کیا ہے: ﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ (البقرۃ: ۱۲۰) (یہود ونصاریٰ آپ سے راضی نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی کریں)

لیکن اس کے برعکس سورۂ مائدہ میں ہے: ﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ☆ ﴾ (المائدۃ: ۸۲)

(آپ مؤمنوں سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے ان لوگوں کو پائیں گے، جنہوں نے کہا، ہم نصاریٰ ہیں، اس لیے کہ ان میں پڑھے لکھے اور راہب لوگ موجود ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے)

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دشمن ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں سے محبت رکھتے ہوں؟۔۔۔''

تو کیا اس اعتراض کی وجہ سے قرآنِ کریم کی صحت پر شک کیا جائے گا یا اس کی صحت کا دعوی باطل ہو جائے گا؟ جو جواب قرآن کے بارے میں ہوگا، وہی حدیث کے بارے میں ہو جائے گا!

اعتراض نمبر ③ : ''زہیر کی روایت میں حضرت براء بن عازب کا یہ قول مذکور ہے کہ ۱۶ یا ۱۷ ماہ کی اس مدت میں جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا قبلہ بیت المقدس تھا، متعدد مسلمان وفات پا گئے تھے اور متعدد مسلمان قتل ہو گئے تھے، پھر جب بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ قبلہ قرار پایا تو ہمیں ان قتل ہو جانے اور مر جانے والے مسلمانوں کے متعلق فکر و تردّد ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کہیں، اس فکر و تردّد کو رفع کرنے کی غرض سے ارشاد ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ☆﴾ (البقرۃ: ۱۴۳) نازل ہوا۔ اس کے متعلق میں دو باتیں عرض کرتا ہوں، اوّل یہ کہ تحویل قبلہ غزوۂ بدر سے قبل کا واقعہ بتایا جاتا ہے اور جنگِ بدر سے پہلے نہ مدینہ میں کوئی مسلمان قتل ہوا تھا نہ مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں، پھر حضرت براء بن عازب یہ غلط اور خلافِ واقع بات کیسے بیان کر سکتے تھے؟ دوم یہ کہ۔۔۔'' (''مطالعہ'' : ۳۷/۱)

جواب : ① میرٹھی صاحب جیسے تاریخ و حدیث سے نابلد انسان کی طرف سے یہ دعوی بڑا مضحکہ خیز ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے نہ مدینہ میں کوئی مسلمان قتل ہوا تھا نہ مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں، نہ جانے سوا چودہ سو سال کے بعد کون سا ''کشف'' لگا کر میرٹھی صاحب نے دیکھا ہے کہ اس عرصہ میں کہیں بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا، پھر اگر وہ کسی عظیم مؤرّخ کا قول نقل کرتے تو شاید اس پر غور کیا جاتا، ان کی اپنی تاریخ دانی کا ایک ''نظارہ'' آپ کو غزوۂ بنی المصطلق کے تذکرے کے تحت ہم کروا چکے ہیں، جہاں انہوں نے دعوی کیا تھا کہ تمام مؤرّخین اس بات پر متفق ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق غزوۂ احزاب کے ۹ ماہ بعد ہوا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی، جس شخص کی یہ حالت ہو، اسے ایسا بلند بانگ دعوی قطعاً زیب نہیں دیتا، خصوصاً جب محدثین و مؤرّخین اس کے مخالف بھی ہوں۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **لكن لا يلزم من عدم الذّكر عدم الوقوع .**
''(اس دور میں کسی مسلمان کے قتل ہونے کے) ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ (ایسا کوئی واقعہ) رونما ہی نہیں ہوا۔'' (فتح الباری: ۹۸/۱)

بلکہ میرٹھی صاحب کے دعوی کے بالکل برعکس وہ تو فرماتے ہیں: **فتحمل على أنّ بعض المسلمين ممّن لم يشتهر قتل في تلك المدّة في غير الجهاد ، ولم يضبط اسمه لقلّة الاعتناء بالتّاريخ اذ ذاك .** ''(اس حدیث میں تحویل قبلہ سے قبل مسلمانوں کے قتل ہونے کا ذکر) اس

بات پر محمول کیا جائے گا کہ کچھ مسلمان جو کہ مشہور نہ ہوئے تھے، اس عرصے میں جہاد کے علاوہ کسی اور لڑائی میں قتل کر دیئے گئے تھے، لیکن اس وقت تاریخ کا زیادہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے ان کا نام ضبط نہیں کیا جاسکا۔''

(فتح الباری: ۹۸/۱)

④ اس بات میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مکہ مکرمہ میں کئی صحابہ کرام ﷺ شہید کیے گئے تھے اور قبلہ مدینہ میں جا کر تبدیل ہوا تھا، جب قبلہ تبدیل ہوا تو صحابہ کرام ﷺ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے جو مسلمان بھائی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور اسی پر ان کی وفات ہوئی تھی، شاید ان کی نمازیں قبول نہ ہوں گی؟

کیا اب بھی منکرینِ حدیث کو اس بات میں شک ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے کوئی مسلمان قتل ہوا تھا؟

اعتراض نمبر ④ : ''دوم یہ کہ اطاعت موجودہ حکم کی ہی کی جاسکتی ہے نہ کہ اس حکم کی جو ہنوز آیا ہی نہ ہو، ہر حکم نفاذ کے بعد ہی فرمان برداری و نافرمانی کی کسوٹی بنتا ہے۔ موجودہ حکم کی تعمیل کرتا ہوا جو شخص دنیا سے رخصت ہوا ہو تو بلا شبہ وہ فرمانبرداری کرتا ہوا رخصت ہوا ہے، اس کے مر جانے کے بعد حاکم اس حکم کے بجائے دوسرا حکم نافذ کرے تو مرنے والے شخص کے متعلق کسی بھی عقل مند کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس نے جو موجودہ حکم کا زمانہ نہ پانے کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا تو وہ حاکم کا فرمانبردار سمجھا جائے یا نافرمان؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے والے جو مؤمنین حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے وفات پا چکے تھے، کیا ان کے مؤمن وفرمانبردارِ حق ہونے میں اس وجہ سے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا عہد نہ پانے کی وجہ سے انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی تھی؟ اور ظاہر ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے اتنی موٹی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہ آتی۔ یقین کیجئے کہ براء بن عازب نے یہ بات نہیں کی تھی، ابو اسحاق السبیعی نے ہی ہوش وحواس اور عقل میں فتور آجانے کی وجہ سے یہ بے ہودہ بات کہی تھی اور اسے براء بن عازب کی طرف منسوب کر دیا تھا۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ»: ۳۱/۱-۳۲)

جواب : ① میرٹھی صاحب تو فرما رہے ہیں کہ اس حدیث سے (معاذ اللہ!) صحابہ کرام کا عقل سے بے بہرہ ہونا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ اس کے بالکل برعکس یہ حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام ﷺ دینی معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری میں

خرابی پیدا ہونے سے بہت زیادہ ڈرتے رہتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے، کاتبِ رسول سیدنا حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لقيني أبوبكر ، فقال : كيف أنت يا حنظلة ؟ قال : قلت : نافق حنظلة ، قال : سبحان اللّٰه ! ما تقول ؟ قال : قلت : نكون عند رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، يذكّرنا بالنّار والجنّة ، حتّى كأنّا رأى عين ، فاذا خرجنا من عند رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عافسنا الأزواج والأولاد والضّيعات ، فنسينا كثيرا ، قال أبوبكر : فواللّٰه انّا نلقى مثل هذا ، فانطلقت أنا وأبوبكر ، حتّى دخلنا على رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، قلت : نافق حنظلة يا رسول اللّٰه ! فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : وما ذاك ؟ قلت يا رسول اللّٰه ! نكون عندك ، تذكّرنا بالنّار والجنّة ، حتّى كأنّا رأى عين ، فاذا خرجنا من عندك عافسنا الأزواج والأولاد والضّيعات نسينا كثيرا ، فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : والّذى نفسى بيده ! ان لو تدومون على ما تكونون عندى وفى الذّكر لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفى طرقكم ، ولكن يا حنظلة ! ساعة وساعة ، ثلاث مرّات .

”مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے اور کہا، اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا، حنظلہ منافق ہو گیا ہے، انہوں نے کہا، سبحان اللہ! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت وجہنم کے بارے بتاتے ہیں تو (ایمان کی زیادت کی وجہ سے) گویا ہم (یہ سب کچھ) آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل آتے ہیں تو بیویوں، اولادوں اور مال ودولت میں مگن ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، اللہ کی قسم! ہمیں ایسی صورتِ حال سے سابقہ پڑتا ہے، چنانچہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! حنظلہ منافق ہو گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کی، ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت وجہنم یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم آپ کے پاس سے نکل آتے ہیں تو اپنی بیویوں، اولادوں اور مال ودولت میں مگن ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم اسی حالت پر رہو جس پر تم میرے پاس ہوتے ہو اور (ہر وقت) ذکر کرتے رہو تو تمہارے بستروں اور راستوں پر فرشتے تمہارے ساتھ مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ! کبھی (ایمان زیادہ ہوتا ہے) اور کبھی (ایمان کم

ہوتا ہے)، یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔'' (صحیح مسلم : ۲۷۵۰)

اب اگر کوئی سر پھرا اس حدیث پر بھی یہ اعتراض کر دے کہ یہ حدیث بھی صحیح نہیں اور کہہ دے:

''صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی سادہ سی بات کو سمجھ نہ پاتے اور اپنے آپ کو دشمنانِ دین منافقین کی صف میں شمار کرنے لگتے۔۔۔''

تو کیا اس وجہ سے اس حدیث کا بھی انکار کر دیا جائے گا ، ہاں ! کچھ عجب نہیں کہ منکرینِ حدیث اس حدیث کا بھی انکار کر دیں ، تو کیا پھر وہ خود کو اعتراض سے بچالیں گے؟ نہیں ، بلکہ یہ اعتراض تو خود قرآنِ کریم پر بھی آجائے گا کہ اس میں کتنی ہی واضح ترین باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہیں ، مثلاً جب مسلمان یا کفار آپ ﷺ سے سوالات کرتے ، آپ ﷺ ان کا جواب دینے کے لیے وحی کا انتظار فرماتے تو اللہ تعالیٰ ان کے جوابات نازل فرماتا ، جیسا کہ درج ذیل سوالات ہیں:

﴿ وَيَسْأَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ (البقرة : ۲۱۹) (وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں)

﴿ وَيَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْيَتَامیٰ ﴾ (البقرة : ۲۲۰) (وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں)

﴿ وَيَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِيْضِ ﴾ (البقرة : ۲۲۲) (وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں)

﴿ وَيَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ... ﴾ (طٰہٰ : ۱۰۵) (وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں ، آپ ان سے کہہ دیجیے۔۔۔)

اگر کوئی کافر کہہ دے کہ ''ان آیات سے تو (معاذ اللہ !) یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنی سادہ باتوں کے بارے میں بھی علم نہ تھا'' تو کیا اس کی بات صحیح ہوگی؟

ضروری ہے کہ ایسے آدمی کو جواب میں کہا جائے ، آپ ﷺ وحی الٰہی کے بغیر کسی (دینی) سوال کا جواب نہ دیتے تھے ، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحیٰ ﴾ (النجم : ۳) ''آپ ﷺ (دینی معاملات میں) اپنی خواہش سے نہ بولتے تھے ، بلکہ وہ (آپ کا قول مبارک) تو وحی ہوتی تھی جو آپ کی طرف کی جاتی تھی۔''

لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے ، اسی طرح اس حدیث کا بھی جواب یہ دیا جائے گا کہ صحابہ کرام دین میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے چھوٹی نافرمانی سے ڈرتے تھے اور جب تک رسول اللہ ﷺ سے تسلّی نہ کر لیتے ، بعض درست کاموں کے بارے میں بھی تردّد میں رہتے ! اگر یہ سادہ سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں آجاتی

تو وہ اس بالکل صحیح حدیث پر ایسا ''بے ہودہ'' اعتراض بالکل نہ کرتے۔

پھر اگر ہر ایک کی عقل نارسا ہی قبول وعدم قبول کا معیار ہے تو پھر نہ جانے کونسی حدیث یا کون سی آیتِ قرآنی ایسی بچے گی، جس پر دنیا کے کسی بھی بے وقوف آدمی کو کوئی بھی اعتراض نہ ہو؟

۲ اس اعتراض کا مزید جواب اعتراض نمبر ۵ کے جواب میں ''دورخی پالیسی'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض نمبر ۵ : ''جملہ روایات کے مطابق ابواسحاق کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم آجانے پر حضورِ اکرم ﷺ نے جو پہلی نماز روبکعبہ ہوکر پڑھی تھی اور اس میں جو حضرات صحابہ آپ کے مقتدی تھے تو ان میں سے ایک صاحب نماز سے فارغ ہوکر چلے تو ایک جگہ انہوں نے دیکھا کہ انصاری مسلمانوں کی ایک جماعت نماز ادا کر رہی ہے اور حسبِ دستور وہ لوگ کعبہ کی طرف پشت اور بیت المقدس کی طرف رُخ کیے ہوئے تھے۔ اس شخص نے بہ آوازِ بلند پکار کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اور میں خود اس نماز میں شریک تھا۔ اس وقت وہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے، یہ سنتے ہی سب کے سب کعبہ کی سمت گھوم گئے۔

ناظرین! سمجھنے کی کوشش کریں، اس بیان میں دو قصور ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حکمِ تحویل آجانے پر آپ نے اپنی مسجد میں تو نماز روبکعبہ ہوکر پڑھائی تھی، لیکن عام مسلمانوں کو بروقت اس حکم سے آگاہ فرمادینے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ ابواسحاق کی اس حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آپ نے مسجد میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ حاضرین، غائبین کو آگاہ کر دیں، نہ یہ کہ آپ نے مدینہ میں اس کی عام منادی کرائی تھی، جیسے شراب کی حرمت کے موقع پر آپ نے منادی کرائی تھی کہ **ألا انّ الخمر قد حُرّمت .** سنو! شراب حرام کر دی گئی ہے۔۔۔'' (صحیح بخاری کا مطالعہ»» : ۳۲/۱-۳۳)

جواب : ۱ پہلے تو میرٹھی صاحب یہ ثابت کریں کہ تحویل قبلہ والی آیات عصر کی نماز سے اتنی دیر قبل نازل ہوئی تھیں کہ نماز سے پہلے لوگوں میں اعلان کروایا جا سکتا تھا، پھر اس حدیث پر اعتراض کریں، جب یہ آیات نازل ہی نمازِ عصر سے تھوڑی دیر پہلے ہوئی ہیں تو نماز سے پہلے اعلان کیسے کروایا جا سکتا تھا؟ نہ معلوم منکرینِ حدیث عقل سے اتنا کام بھی کیوں نہیں لیتے؟

غیر حاضر دماغی یا دو رخی پالیسی :

۞ قارئین کرام! آیئے چلتے چلتے میرٹھی صاحب کی ''غیر حاضر دماغی یا دورخی پالیسی'' کا بھی اندازہ کرلیں کہ اس حدیث پر اعتراض یہ کیا ہے کہ آپ نے ''عام مسلمانوں کو بروقت اس حکم سے آگاہ فرمادینے کا اہتمام نہیں فرمایا'' جبکہ انہیں یہ یاد نہیں رہ سکا کہ اپنے موقف کی تائید کرتے ہوئے مثال میں حرمتِ شراب والی جو حدیث انہوں نے پیش کی ہے، اس میں بھی یہ بات موجود نہیں کہ آپ ﷺ نے منادی کرنے والے کو فوراً ہی بھیج دیا تھا، لمحہ بھر بھی توقف نہیں فرمایا۔ لہٰذا کوئی آدمی یہی اعتراض ان کی بیان کردہ حدیث پر بھی کرسکتا ہے، پھر میرٹھی صاحب کس کس حدیث کو چھوڑیں گے؟

۞۞ اس اعتراض کے ضمن میں منکرینِ حدیث کی غیر حاضر دماغی یا دورخی پالیسی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید کے لیے جس حدیثِ مبارکہ کے چند الفاظ پیش کیے ہیں، وہ حدیث خود ان کے قاعدہ کے مطابق (معاذ اللہ!) ''بے ہودہ بات'' ہے، ذرا اس حدیث کے بقیہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں: **فقال بعض القوم : قد قتل قوم وهی فی بطونهم ، فأنزل الله** ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ﴾ (المائدة : ۹۳) **الآية .**

''(حرمتِ شراب کے اعلان کے بعد) بعض صحابہ نے کہا، یقیناً کچھ لوگ (مسلمان) اس حال میں شہید کردیئے گئے تھے کہ شراب ان کے پیٹوں میں موجود تھی (نہ جانے ان کا کیا بنے گا؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ﴾ (المائدة : ۹۳) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان پر اس چیز کا کوئی گناہ نہیں، جس کو وہ (حرمت کا اعلان سننے سے پہلے) کھا چکے ہیں)۔'' (صحیح بخاری : ٤٦٢٠، صحیح مسلم : ۱۹۸۰)

اگر میرٹھی صاحب میں عقل وخرد یا امانت ودیانت نام کی کوئی چیز ہوتی تو وہ اس حدیث کو بطورِ دلیل کبھی پیش نہ فرماتے، کیونکہ اس حدیث پر بعینہٖ وہی اعتراض وارد ہو رہا ہے، جس اعتراض کو وارد کرکے خود میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری ومسلم کی صحیح حدیثِ تحویل قبلہ کو ٹھکرایا تھا، اگر منکرینِ حدیث میں قبولیتِ حق کی کوئی رتی موجود ہے تو وہ میرٹھی صاحب کی درج ذیل عبارت کو پڑھیں اور صحیح بخاری کی صحیح احادیث پر اعتراض کرنے سے سچی توبہ کرلیں، اس حدیث کو پیش کرنے سے چند ہی سطریں پہلے میرٹھی صاحب نے تحویل قبلہ والی حدیث پر یہ اعتراض کیا تھا کہ:

''اطاعت موجودہ حکم کی ہی کی جاسکتی ہے نہ کہ اس حکم کی جو ہنوز آیا ہی نہ ہو، ہر حکم نفاذ کے بعد ہی فرمانبرداری و نافرمانی کی کسوٹی بنتا ہے۔۔۔موجودہ حکم کی تعمیل کرتا ہوا جو دنیا سے رخصت ہوا ہو تو وہ بلا شبہ وہ فرمانبرداری کرتا ہوا رخصت ہوا ہے۔۔۔اور ظاہر ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ»: ۳۱/۱۔۳۲)

کیا بالکل یہی اعتراض میرٹھی صاحب کی اس پیش کی ہوئی حدیث پر وارد نہیں ہو رہا، جس سے وہ استدلال کر کے ایک دوسری صحیح حدیث پر اعتراض کر رہے ہیں۔کیا کوئی آدمی میرٹھی صاحب کی اس پیش کردہ حدیث پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا؟ کہ ''جو صحابہ شراب پینے کی حالت میں شہید کر دیئے گئے تھے، وہ تو حرمتِ شراب کا حکم آنے سے پہلے ہی دنیا سے جا چکے ہیں اور ان پر یہ حکم لاگو ہی نہیں ہوا تھا، لہٰذا وہ نافرمان شمار نہیں کیے جاسکتے، پھر صحابہ کرام کا ان کے بارے میں پریشانی کا اظہار کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی۔۔۔''

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اب دو ہی باتیں ہیں کہ یا تو میرٹھی صاحب کے نزدیک یہ حدیث بھی اس اعتراض کے وارد ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں یا پھر ان کو اس حدیث میں یہ اعتراض نظر ہی نہیں آیا، اگر ان کے ہاں یہ حدیث صحیح نہیں تھی تو اسے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کرنا بدترین خیانتِ علمی ہے اور اگر ان کو اس اعتراض کا پتا ہی نہیں چلا تو یہ بات ان کے عقل و خرد سے کورا ہونے کی بیّن دلیل ہے!

کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

ان كنت لا تدرى فتلك مصيبة وان كنت تدرى فالمصيبة أعظم !

نہ معلوم اس طرح کے خائن یا بددماغ آدمی کو سارے مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ پر بے تکے اور بے ہودہ اعتراضات کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟

اعتراض نمبر ⑥ : ''دوم یہ کہ اس حدیث کی رو سے اس مخبر نے انہیں صرف فعل نبوی کی خبر دی تھی، یہ تو نہیں (کہا تھا) کہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم لے کر آیا ہوں کہ ہر شخص رو بکعبہ ہو کر نماز پڑھے، اس نے تو انہیں صرف آپ کے عمل کی اطلاع دی تھی، اسے انہوں نے تشریع پر ہی کیسے حمل کر لیا؟ اس کے متعلق صحیح و بے غبار حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ»: ۳۳/۱)

جواب : ① منکرینِ حدیث کو اگر معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے عمل کی اطلاع کو تشریع پر کیسے محمول کر لیا تھا تو ہم ان کو بتا دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کا عمل حدیث ہے اور حدیث کو صحابہ کرام حجت سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ﴾(محمّد : ۳۳)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔''

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾(النساء : ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی، درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾(آل عمران : ۳۱)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو، (اس کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔''

معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنے نبی کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا ہے، بلکہ اپنی اطاعت کو نبی کی اطاعت سے مشروط کیا ہے اور اپنی محبت و مغفرت کا ذریعہ بتلایا ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینی معاملات میں آپ ﷺ کے ہر قول و فعل کو تشریع پر ہی محمول کرتے تھے، خصوصاً نماز جیسی اہم عبادت، جس کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بھی موجود ہے:

وصلّوا كما رأيتموني أصلّي . ''اور نماز اس طرح پڑھو، جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔''(صحيح بخاري: ٦٣١ عن أبي سعيد)

صحابہ کرام عاملین بالحدیث تھے، منکرینِ حدیث نہ تھے کہ آپ ﷺ کی احادیث کا انکار کر دیتے۔

خیانتِ علمی اور تحریفِ معنوی :

قارئین کرام! صحیح بخاری(٤٠٣) وصحیح مسلم(٥٢٦) وغیرہما کی جس حدیث کو میرٹھی صاحب نے خود ''صحیح و بے غبار'' قرار دیا ہے، اسی حدیث میں ان کے اس دعوی کا بطلان موجود تھا کہ ''خود آپ (ﷺ) نے کبھی کوئی فرض نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نہیں پڑھی۔'' لہٰذا عذابِ الٰہی سے بے خوف ہو کر تحریفِ

معنوی اور خیانتِ علمی سے کام لیتے ہوئے میرٹھی صاحب نے اس کا ترجمہ ہی غلط کر دیا ہے، حدیث کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور پھر انکارِ حدیث کے نتیجہ میں واقع ہونے والی معنوی تحریف بھی دیکھیں:

بینما النّاس بقباء فی صلاة الصّبح اذ جاء هم آتٍ ، فقال : انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قد أنزل علیه اللّیلة قرآن ، وقد أُمِرَ أن یستقبل الکعبةَ ، فاستقبلوها ....

ان الفاظ کا ''میرٹھی ترجمہ'' یہ ہے: ''لوگ قباء میں تھے کہ ایک آنے والے نے آکر کہا کہ رات رسول اللہ ﷺ پر کچھ آیاتِ قرآن اتری ہیں اور ان کے مطابق آپ نے حکم فرمایا ہے کہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے، لہٰذا تم کعبہ رُخ ہو جاؤ۔۔۔''

حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ''لوگ قباء میں تھے کہ ایک آنے والے نے آکر کہا، آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن (کی کچھ آیات) اتری ہیں اور (ان آیات میں) آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کو قبلہ بنالیں، لہٰذا (اے اہل قباء!) تم اس (کعبہ) کی طرف رُخ کر لو۔۔۔''

چونکہ آپ ﷺ کو کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیئے جانے والے الفاظ میرٹھی صاحب کے مذکورہ بالا دعوی کے خلاف تھے اور ان الفاظ سے ثابت ہو رہا تھا کہ آپ ﷺ بھی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تھے، تب ہی تو آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم ملا ہے، لہٰذا انہوں نے انتہائی تکلف کیا ہے اور فعل معروف کو فعل مجہول میں بدل کر ترجمہ بدلنے کی مذموم سعی کی ہے۔

لیکن اگر کوئی منصف مزاج آدمی صحیح بخاری میں ہی اس روایت کو دوسری جگہ پڑھ لے تو وہ اس خیانت وتحریف سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے اور انکارِ حدیث کے فتنہ سے اپنا دامن بچا سکتا ہے، صحیح بخاری ہی میں یہ روایت ان الفاظ سے بھی آئی ہے: **بینا النّاس یصلّون الصّبح فی مسجد قباء اذ جاء جاءٍ ، فقال : أنزل اللّٰه علی النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قرآنا أن یستقبل الکعبة ، فاستقبلوها ...**

''لوگ مسجدِ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آنے والا آکر کہنے لگا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ کعبہ کی طرف رُخ کر لیں، لہٰذا (اے اہل قباء!) تم (بھی) اس (کعبہ) کی طرف رُخ کر لو۔'' (صحیح بخاری : ٤٤٨٨)

اسی طرح سنن دارقطنی کی یہ روایت بھی بالکل صریح ہے کہ: **انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم أنزل علیه اللّیلة قرآن وأمره أن یستقبل الکعبة ، ألا فاستقبلوها ...**

''(اس آدمی نے کہا) بلاشبہ رات کو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور اس نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ قبلہ کی طرف رُخ کر لیں، خبردار! تم اسی طرف رُخ کر لو۔'' (سنن الدارقطنی : ۲۷۳/۱، وسندہٗ صحیحٌ)

معلوم ہوا کہ یہاں حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، رسول کریم ﷺ نہیں، لہٰذا میرٹھی صاحب کی طرف سے فعل مجہول کے بجائے فعل معروف کا ترجمہ کر کے تحویل قبلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا خیانت ہے، امانت نہیں!

اب قارئین ہی فیصلہ کریں کہ جس شخص کی یہ حالت ہو، اسے بھلا پوری امت کی مخالفت کرتے ہوئے صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

اعتراض نمبر ⑦ : ''اس حدیث میں ابواسحاق نے حضرت براء بن عازب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی دلی خواہش یہ ہی رہتی تھی کہ بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ کو ہمارا قبلہ قرار دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت براء کو رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کا علم کیسے ہوا؟ زبانِ مبارک سے تو آپ نے کبھی اس خواہش کا اظہار فرمایا نہ تھا، صحیح تو کجا، کسی ضعیف حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میرا جی چاہتا ہے کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے۔۔۔۔'' (((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ۳۳/۱۔۳۴)

جواب : ① میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض بالکل بچگانہ ہے، جو کسی ذی شعور آدمی کو قطعاً زیب نہیں دیتا، بھلا مزاج شناس اور قابل شاگردوں کو اپنے مہربان و مشفق استاذ کی بے چینی و پریشانی، نیز غمی و خوشی کا استاذ کے بغیر بتائے صرف تیوروں سے پتا نہیں چل جاتا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنے استاذ (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مزاج شناسی تو قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہے۔ صحیح احادیث میں موجود ایسے واقعات کی ایک لمبی فہرست پیش کرنا بے محل طوالت کا باعث ہوگا، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر نہ صرف آپ ﷺ کے غم و غصہ یا فرحت و خوشی کو محسوس کیا، بلکہ اس کے اسباب کا بھی اندازہ کر لیا تھا۔ ہم صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں: ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جب نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت

تقسیم کیا تو انصار کے ایک (خارجی) شخص نے کہا، آپ ﷺ نے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا (انصاف نہیں کیا)، یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہوگیا۔۔۔'' (صحیح بخاری: ٤٣٣٥، صحیح مسلم: ١٠٦٢)

اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس آدمی کی بات کی وجہ سے آپ ﷺ کے غصہ کو بھانپ گئے اور آپ ﷺ کے غصہ سے ڈرتے ہوئے اپنے دل میں کہنے لگے: **لا جرم لا أرفع اليه بعدها شيئا .** ''یقیناً میں اس کے بعد کوئی شکایت آپ ﷺ کی طرف لے کر نہیں جاؤں گا۔''

اب قارئین خود سوچیں کہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے غصہ اور اس غصہ کے سبب کو جان لیا ہے کہ نہیں؟ کیا اس وضاحت کے بعد میرٹھی صاحب کے اس اعتراض کا بطلان واضح نہیں ہو جاتا؟

(٢) اگر شاگرد اپنے استاذ کے کسی فعل سے اس کی پسند و ناپسند کا پتا چلا لے، تو کیا شاگرد کا یہ کہنا غلط ہے کہ میرے استاذ کی یہ خواہش تھی؟ ہرگز نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث ہے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو اس کھانے کی دعوت دی جو اس نے تیار کیا تھا، میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کھانے کی طرف گیا، اس (درزی) نے روٹی اور شوربہ پیش کیا، جس میں کدو اور گوشت کے ٹکڑے تھے، میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ برتن کی تمام اطراف سے کدو تلاش کر (کے تناول فرما) رہے تھے۔'' (صحیح بخاری: ٢٠٩٢، صحیح مسلم: ١٠٦٢)

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: **يأكل من ذلك الدّباء ويعجبه .**

''آپ ﷺ اس (برتن) سے کدو تناول فرما رہے تھے اور اسے پسند فرما رہے تھے۔''

اب میرٹھی صاحب کے عقیدت مند ہی بتائیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ایک فعل کو دیکھ کر اس کو آپ کی پسند قرار دے رہے ہیں یا نہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے ان کو بول کر بتایا تھا کہ میں کدو کو پسند کرتا ہوں؟ پھر یہ بالکل وہی **يُعْجِبُهُ** کے الفاظ ہیں، جو کہ تحویلِ قبلہ والی حدیث میں تھے، اسی طرح سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے افعالِ مبارکہ سے معلوم کر لیا تھا کہ آپ ﷺ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا پسند کرتے تھے اور یہ آپ ﷺ کی خواہش تھی۔

اتنی سی بات بھی اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اس میں امام بخاری یا صحیح بخاری کا کوئی قصور نہیں ہے، بلکہ یہ منکرینِ حدیث کی عقل کا قصور ہے۔

(٣) کوئی صحابی جس کام کے بارے میں بتائے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی خواہش رکھتے تھے یا

اسے پسند کرتے تھے، ضروری نہیں کہ اس کام کے پسندیدہ ہونے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہو، انکارِ حدیث کے خوگر لوگ درج ذیل حدیث کو ذرا ٹھنڈے دل سے پڑھیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: كان النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يعجبه التيمّن في تنعّله وترجّله وطهوره وفي شأنه كلّه . ''نبی کریم ﷺ جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے اور اپنے تمام کاموں میں دائیں جانب (سے شروع کرنا) پسند فرماتے تھے۔'' (صحيح بخاری: ١٦٦، صحيح مسلم: ٢٦٨)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے ہر کام میں دائیں جانب کو پسند کرنے کے لیے بالکل وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو تحویل قبلہ والی حدیث میں استعمال ہوئے ہیں اور میرٹھی صاحب نے ان پر اعتراض کیا ہے، یعنی اس حدیث میں كان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت (آپ کو اپنا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہونا اچھا لگتا تھا) اور یہاں بھی وہی الفاظ ہیں کہ كان يعجبه التيمّن. (آپ کو دائیں جانب سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا)۔

اب ہم بھی میرٹھی صاحب کی بات کو دہراتے ہوئے اگر کہیں کہ:

''سوال یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کا علم کیسے ہوا؟ زبانِ مبارک سے تو آپ ﷺ نے کبھی اس خواہش کا اظہار فرمایا نہ تھا، صحیح تو کجا کسی ضعیف حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نام لے لے کر ایک ایک کام کے دائیں جانب سے شروع کرنے کو پسندیدہ کہنے کا ذکر نہیں ہے۔۔۔۔'' تو منکرینِ حدیث کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ کیا وہ آپ ﷺ کی احادیث سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہر ہر کام کا نام لے لے کر اس کو دائیں جانب سے شروع کرنا پسند کیا ہو؟

معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب درحقیقت احادیث کو سرے سے مانتے ہی نہیں، یہ محض دھوکہ ہے کہ صحیح بخاری کی کچھ احادیث ان کے نزدیک ''ضعیف'' ہیں، نہ ہی اس بارے میں وہ کسی قانون وضابطہ کی پیروی کرتے ہیں، بلکہ صرف اپنی نارسا عقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے احادیثِ صحیحہ پر بے تکے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

④ پھر یہ بھی مسلم اصول ہے کہ عدمِ ذکر عدمِ وجود کی دلیل نہیں، عین ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہو، پھر سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اسے بیان کر دیا ہو۔ اس میں بھلا اعتراض والی کون سی بات ہے؟ صحابیٔ رسول ﷺ کی صراحت کے بعد بھی اس پر دلیل کا

مطالبہ کرنا عقل وفہم اور اصولوں سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جاری ہے۔۔۔۔۔

❀❀❀❀❀❀

تین نمازیں

① شبِ زفاف کی نماز : ابوسعید مولیٰ ابی اسید بیان کرتے ہیں:

تزوّجت امرأة ، فكان عندی ليلة زفاف امرأتی نفر من أصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فلمّا حضرت الصّلاة أراد أبوذرّ أن يتقدّم ، فيصلّی ، فجبذه حذيفة وقال : ربّ البيت أحقّ بالصّلاة ، فقال : لأبی مسعود : أكذلك ؟ قال : نعم ، قال أبوسعيد : فتقدّمت ، فصلّيت بهم وأنا يومئذ عبد ، فأمرانی اذا أتيت بامرأتی أن أصلّی ركعتين ، وأن تصلّی خلفی ان فعلت . ''میں نے ایک عورت سے شادی کی، رخصتی کی رات میرے پاس بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے، جب نماز کا وقت آیا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں، لیکن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کھینچ لیا اور فرمایا، گھر والا نماز پڑھانے کا زیادہ مستحق ہے، پھر انہوں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا ایسے ہی ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، حالانکہ میں اس وقت غلام تھا، ابوذرّ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما نے مجھے حکم دیا کہ جب میں اپنی بیوی کے پاس جاؤں تو دو رکعتیں ادا کروں اور اگر میں ایسا کروں تو میری بیوی بھی میری اقتدا میں نماز پڑھے۔'' (الاوسط لابن المنذر : ١٥٦/٤، وسندهٔ صحیحٌ، ومصنف ابن ابی شیبة : ٢١٧/٢مختصرا)

فائدہ : سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تزوّج أحدكم ، فكان ليلة البناء ، فليصلّ ركعتين وليأمرها ، فلتصلّ خلفه ، فانّ الله عزّوجلّ جاعل فی البيت خيراً . ''جب تم میں سے کوئی زفاف کی رات دو رکعتیں ادا کرے اور بیوی کو بھی اپنی اقتدا میں یہ نماز پڑھنے کا حکم دے، اللہ تعالیٰ گھر میں خیر و برکت نازل کرے گا۔'' (کشف الاستار : ١٦٩/٢، ح : ١٤٤٧، الکامل لابن عدی : ٢٣٣/٢)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس کا راوی حجاج بن فروخ ''ضعیف'' ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا حديث منكر جدّا . ''یہ حدیث سخت منکر ہے۔'' (میزان الاعتدال : ٤٦٤/١)

② خواب دیکھنے کی نماز : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رأى أحدكم رؤيا يكرهها ، فليصلّ ركعتين ، ولا يخبر بها أحدا ، فانّها لن تضرّه . ''جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو دو رکعتیں ادا کرے اور اس کے بارے میں کسی کو نہ بتائے، وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔'' (مسند الحمیدی : ١١٤٥، وسندهٔ صحیحٌ)

③ قبولِ اسلام کی نماز : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **أنّ ثمامة الحنفیّ أسلم ، فأمره أن يغتسل ، فاغتسل وصلّى ركعتين ، فقال النّبیّ صلّى الله عليه وسلّم : لقد حسن اسلام أخيكم .**

''ثمامہ حنفی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا، انہوں نے غسل کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے بھائی کا اسلام بہترین ہوگیا ہے۔'' (مصنف عبد الرزاق : ۳۱۸/۱۰، ح : ۱۹۲۲۶، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۱۵) اور امام ابنِ خزیمہ (۲۵۳) رحمۃ اللہ علیہما نے ''صحیح'' کہا ہے۔